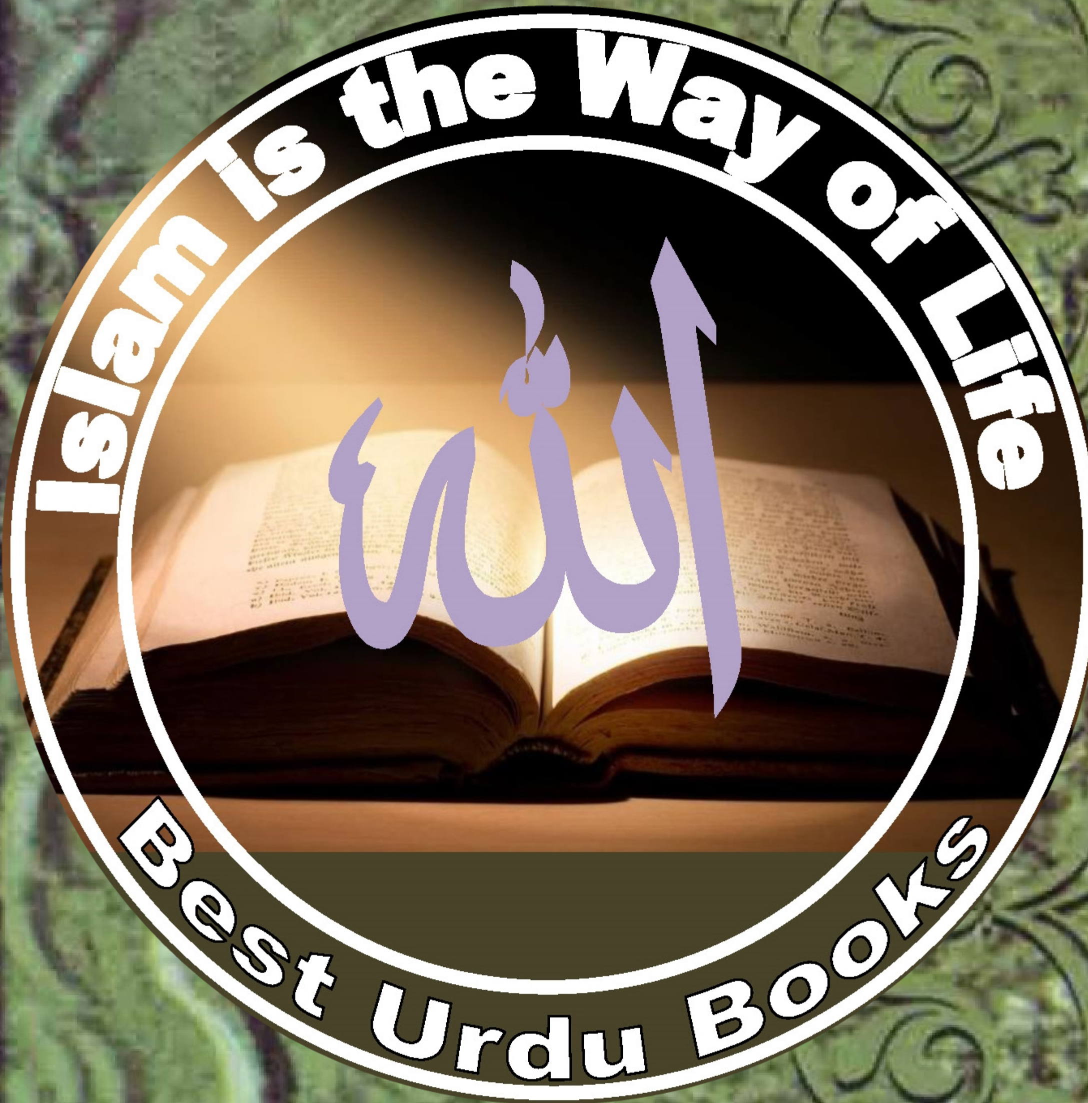
النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ



مکتبہ اخوّت

دیگر نسخوں میں پائی جانے والی کثیر اغلاط سے پاک

النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

تعارف
مولانا محمد منظور نعمانیؒ

مکتبہ اخوت

نزد حسن مارکیٹ، بخشی سٹریٹ مچھلی منڈی اردو بازار لاہور 7235951

نام کتاب : النبی الخاتم ﷺ

مصنف : مولانا سید مناظر احسن گیلانی

ناشر : مکتبہ اخوت

نزد حسن مارکیٹ (مچھلی منڈی)

اردو بازار لاہور

فون: 7235951

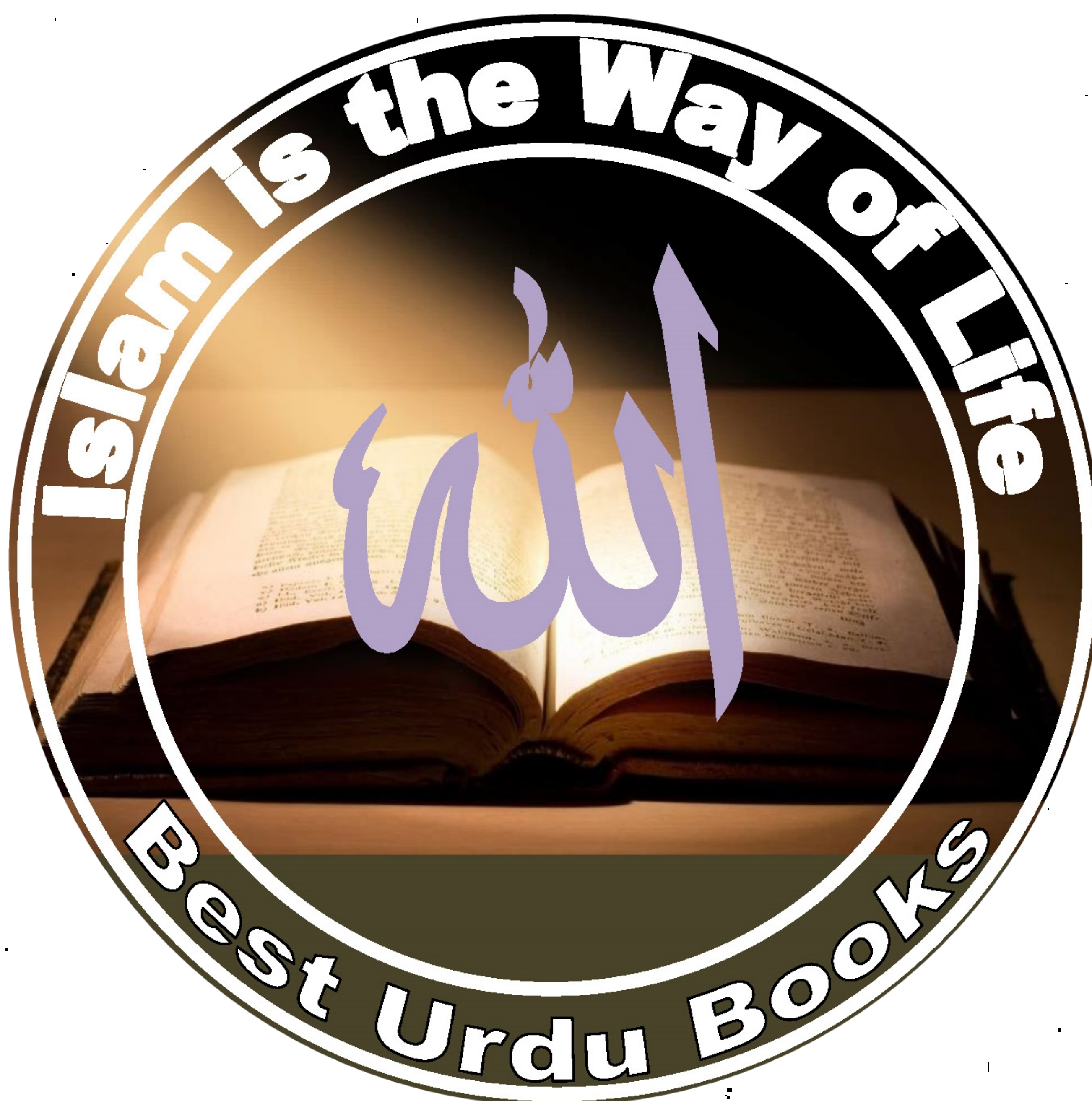
مطبع : رضا پریس لاہور

قیمت : 80 روپے

عام : 150 روپے

اعلیٰ : 250 روپے

فہرست مضامین


Islam is the Way of Life
الله
Best Urdu Books

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف

از جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

سیرت طیبہ نبویہ (علی صاحبھا الصلوۃ والتحیۃ) کے باب میں تصانیف اور مقالات کی اب کمی نہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو بالکل مبالغہ نہ ہوگا کہ آج تک کسی علمی، تاریخی یا ادبی موضوع پر اتنی کتابیں تصنیف نہیں کی گئی جتنی کہ "سیرت محمدی" اور اس کی متعلقات پر چھپ چکی ہیں اور اب تو یہ کیفیت ہے کہ کوئی مہینہ بلکہ غالباً کوئی ہفتہ اور کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں اس مقدس موضوع پر کوئی کتاب، کوئی رسالہ یا کوئی مقالہ کہیں سے اشاعت پذیر نہ ہوتا ہو اور ہونا بھی یہی تھا کیونکہ "رفع ذکر" ازل کی طے شدہ الٰہی تجویز ہے۔

لیکن اس شیوع اور اس بے انتہا کثرت کے باوجود ایسی کتابیں اس بے پایاں ذخیرہ میں گنتی کی چند ہی نکلیں گی جن میں سیرت نبوی کو ایسی جامعیت اور اکملیت کے ساتھ پیش کیا گیا جو اس کا طغرائے امتیاز ہے۔ بالخصوص اس سلسلہ کی چھوٹی اور متوسط کتابیں تو اس چیز سے اکثر خالی ہی ہیں اور فی الحقیقت یہ ہے بھی بہت مشکل کہ گنتی کے چند ورقوں میں "نبی خاتم" کی اس سیرت مقدسہ کو جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے اسوہ ہے جامعیت کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

لیکن الحمدللہ پیش نظر کتاب اس حیثیت سے انہی چند مستثنیات میں سے ہے۔ وہ اختصار کے باوجود "سیرت نبویہ" کے تمام قابل غور پہلوؤں پر حاوی ہے، بلکہ جن پہلوؤں کو سطح بین دنیا نے قابل غور نہیں سمجھا اور اس لیے ہمیشہ ان پر سرسری طور سے گزرا گیا ان کو بھی اس کتاب میں "قابل غور" بنا کر پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ ان کا حق تھا اور بہت سے ان معلوم ومشہور واقعات سے جو "حیات نبوی" کے معمولی سوانح ہی کی حیثیت سے لوگوں کے ذہنوں

اور حافظوں میں محفوظ ہیں نہایت گہرے دوررس اور پھر بالکل صحیح نتائج نکالے ہیں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس خصوص میں یہ چھوٹی سی کتاب بالکل عدیم النظیر ہے۔ جدید تحریک ''سیرت'' کے بانی جناب عبدالمجید صاحب قرشی ایڈیٹر اخبار ''ایمان'' (جنہوں نے مصر وشام و ہند کے مشاہیر سے درجنوں مقالے اور مضامین اس موضوع پر لکھوائے ہیں اور خود یہ کتاب ''النبی الخاتم'' بھی ابتداً انہی کی تحریک پر ایک مقالہ کی صورت میں لکھی گئی تھی)' انہوں نے اس کے متعلق لکھا تھا اور بالکل صحیح لکھا تھا کہ

''سیرت کی لائبریری میں اس قسم کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔''

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ کتاب اگرچہ ''سیرت'' پر لکھی گئی ہے جو تاریخ ہی کا ایک شعبہ ہے' لیکن مصنف کا مقصد اس سے صرف ''سوانح نبویہ'' کی تدوین نہیں ہے' اور اس لیے واقعات میں تاریخی ترتیب کا التزام نہیں کیا گیا ہے' بلکہ ان کا مطمح نظر اس تبلیغ اور دعوت الی الحق ہے۔ انہوں نے حیات نبوی کے ہر حادثہ اور سانحہ کو صاحب سوانح صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا برہان اور آپ کے پیغام کا مصدق بنا کر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے' مگر چونکہ کسی وجہ سے انتہائی ایجاز واختصار ان کے پیش نظر ہے۔ اس لیے انہوں نے جابجا تصریحات کا کام صرف اشارات ورموز سے لیا ہے اور جب کہ اس سے پہلے ایڈیشن میں عنوانات بھی نہ تھے' تب تو غالباً عام ناظرین پورے طور پر ''مافیہ'' کو سمجھ بھی نہیں سکتے ہوں گے' لیکن اب آپ نے قریباً ہر پیرے پر عنوان قائم کر کے اپنے ''رموز وکنایات'' کی بڑی حد تک تشریح کر دی ہے اور ان عنوانات کی روشنی میں کتاب کو دیکھنے کے بعد اب حیرت ہوتی ہے کہ کتنی کے ان چند ورقوں میں اس بندہ خدا نے کیا کیا بھر دیا تھا اور کس طرح بھر دیا تھا؟

دریا بکوزہ کی مثال بہت مشہور ہے' لیکن شاید دنیا کی کسی اور کتاب پر وہ اس سے بہتر طور سے صادق نہ ہو۔

میرا اندازہ ہے اور انشاء اللہ غلط نہیں' کہ اگر انہی مضامین کو عام نگارش کے طرز پر لکھا جاتا اور انہی دعاوی ودلائل کو عام استدلالی ترتیب سے مرتب کیا جاتا تو ایسی ایسی کم از کم چار پانچ جلدوں میں یہی مضامین مشکل سے سماتے' لیکن محترم مصنف کے مخصوص طرز تحریر نے ان تمام وسیع الذیل مباحث ومضامین کو اس چھوٹی سی کتاب میں سمیٹ دیا ہے جو یقیناً بڑا کمال ہے۔

ناظرین کو کتاب سے قریب کرنے کے لیے (جو اس تعارف کا مقصد ہے) کتاب اور اس کے مصنف کی ایک اور خصوصیت کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔

علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنی معلومات کو خوبصورتی کے ساتھ دلنشین طریقہ پر بیان کر دینا یا تحریر میں لے آنا یہ وہ کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے لیکن ''عشق'' کی آگ اور دل کا ''سوز و گداز'' وہ دولت ہے جو صرف خدا کی دین پر موقوف ہے...... پھر جب وہ ''کمال'' اور یہ ''خدا داد دولت'' کہیں جمع ہو جائیں اور دونوں مل کر کسی ''صاحب محبوبیت کبریٰ'' کی تصویر تیار کریں تو جیسی کچھ تیار ہوگی ظاہر ہے۔

''النبی الخاتم'' کے محترم مصنف انہی خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں ''علم و تحقیق'' اور تقریر و تحریر کے کمال کے ساتھ اس ''وہبی نعمت'' سے بھی حصہ وافر ملا ہے اور اس لیے اس کتاب میں غیر قصدی بلکہ شاید غیر شعوری طور پر کہیں کہیں ''حال'' کا رنگ بھی آ گیا ہے۔ جس نے ''علم و تحقیق'' کے ساتھ مل کر ایک خاص ''کیف'' پیدا کر دیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ ان مقامات کو بار بار مزے لے لے کر پڑھا جائے۔ اگرچہ اس ''حال'' اور ''تحقیق'' کی آمیزش نے بعض جگہ تعقید بھی پیدا کر دی ہے' لیکن سرمستانہ جوش بیان کی لذت ان جگہوں پر بھی تعقید کی کلفت محسوس نہیں ہونے دیتی۔

یہاں تک پہنچ کر جی چاہتا ہے کہ اس کتاب اور اس کے ''صاحب نعت'' مصنف کے متعلق ایک خاص بشارت جو اب تک میرے سینے میں ''سر مکنوں'' کی طرح محفوظ رہی اس کو بھی ظاہر کر دوں۔ اگر صاحب کتاب کو میری یہ جسارت اور یہ ''افشاء راز'' ناگوار ہو تو وہ مجھے معاف فرما دیں۔

مجھ سے ایک نہایت ثقہ بزرگ نے بیان کیا تھا کہ جن دنوں یہ کتاب (النبی الخاتم) تصنیف ہو رہی تھی۔ ایک صاحب دل بزرگ نے ایک رات عالم واقعہ میں دیکھا کہ حضرت خاتم النبیین' رحمۃ للعالمین اپنے جمال کی پوری تابشوں کے ساتھ رونق افروز ہیں اور مولانا گیلانی قدموں میں تڑپ رہے ہیں' لیکن ان سے نظر بچائی جا رہی ہے۔ صاحب واقعہ بزرگ نے یہ دیکھ کر حضرت بلالؓ سے (جو وہیں موجود تھے) عرض کیا کہ اس بے چارے کو ایک نظر کیوں نہیں دیکھ لیا جاتا؟ حضرت بلال نے فرمایا:

"اس کو اگر دیکھ لیا گیا تو مر جائے گا۔"

میرے نزدیک یہ مقدس صحبت اور یہ تڑپ اس مبارک تالیف کی صورت مثالیہ اور اس مصنف کے پرسوز جذبات کی تصویر تھی۔

بریں مژدہ گر جاں فشانند رواست
ہزار عمر فدائے دمے کہ من از شوق
بخاک وخوں تپم وگوئی از برائے من است

آخر میں کتاب کے متعلق دو باتیں اور بھی عرض کرنی ہیں۔ اس کتاب میں مصنف نے آنحضرتؐ کی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مکی زندگی کو انہوں نے دل کی زندگی اور مدنی زندگی کو دماغ کی زندگی قرار دیا ہے۔ میرے علم میں یہ بالکل نئی مگر نہایت صحیح تقسیم ہے۔ فی الحقیقت نبوت کے بعد مکہ کی بارہ تیرہ سالہ زندگی میں جن کمالات کا ظہور ا ہوا۔ ان کا زیادہ تر تعلق ملکات قلبیہ ہی سے تھا اور مدنی زندگی میں جو امور مہمہ انجام پائے ان کے لیے دماغی صلاحیت وقابلیت اور فکر وتدبیر ہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو حضرات اس کتاب کو صرف ایک نظر دیکھیں گے وہ شاید پورا استفادہ نہ کریں گے اور نہ اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں گے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ گہری نظر سے اس کو ایک سے زیادہ مرتبہ دیکھا جائے۔ خود میں نے بھی اس کو دو مرتبہ بالاستیعاب اور بعض مقامات کو اس سے بھی زیادہ دفعہ دیکھا ہے اور ہر مرتبہ "قند مکرر" کا لطف اٹھایا ہے۔

والسلام

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ماہ رحمت ربیع الاول (1358ھ)

دیباچہ

اگرچہ اس کتاب کا، بلکہ مختصر سے ''رسالہ یا مقالہ'' کا تعلق ''سیرت طیبہ'' علی صاحبہا الف سلام وتحیۃ سے ہے' لیکن ارادۃً اس میں ''سیرت'' کے واقعات کو تاریخی ترتیب کے ساتھ بیان کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے' بلکہ بجائے ''واقعات'' کے صرف ''نتائج'' سے بحث ایک خاص نقطہ نظر کو پیش رکھ کر کی گئی ہے۔ ایسے حضرات جو سیرت کی کتابیں پڑھ چکے ہیں یا کسی ذریعہ سے ان کے مضامین سے واقف ہیں اور بحمداللہ مسلمانوں میں ایسوں کی کمی نہیں' ان کے لیے تو کسی ہدایت کی ضرورت نہیں' مگر خدانخواستہ کسی کو اگر اس کا موقع میسر نہ آیا ہو تو اردو زبان میں اس کا کافی ذخیرہ موجود ہے' خصوصاً پچھلے چند سالوں میں قاضی سلیمان مرحوم منصور پوری نے ''رحمۃ للعالمین'' چوہدری نواب علی صاحب نے تذکرۃ المصطفیٰ' ''سیرۃ الرسول'' ڈاکٹر عبدالحکیم مرحوم نے ''النبی والاسلام'' اور آخر میں علامہ شبلی مرحوم اور ان کے جانشین برحق مولانا سید سلیمان ندویؒ نے ''سیرۃ النبی'' صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اردو زبان کو ''مضامین سیرت طیبہ'' سے مالا مال کر دیا ہے' تا آنکہ دوسری اسلامی زبان کو بھی اردو کی اس جامع شگفتہ اور مستند کتاب کا ترجمہ کرنا پڑا۔

اس سلسلہ میں صاحب ایمان ''قرشی'' صاحب کی کوششوں کو بھی ایک امتیاز حاصل ہے اور یہ ''مقالہ'' بھی ان ہی کی فرمائش سے لکھا گیا۔ ان ہی بزرگوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج اردو زبان میں سب سے زیادہ آسان تصنیف گویا ''سیرۃ نبویہ'' کی تدوین ہے۔ شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گزرتا ہو جس میں اس موضوع پر بلند اور معمولی معیار پر ہر طرح کے رسائل اور کتابیں شائع نہ ہوتی ہوں۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان مخلصوں کی پاک نیت نے ملک کے مذاق پر کافی اور گہرا اثر پیدا کیا ہے۔

بہرحال میری غرض فقط اس قدر ہے کہ بجائے واقعات کے صرف نتائج پر مطلع ہونے کے لیے یہ رسالہ جو چوتھی بار شائع ہو رہا ہے انشاءاللہ تعالیٰ مسلمانوں اور شاید نا مسلمانوں کے لیے بھی مفید ثابت ہوگا۔

اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ

سید مناظر احسن گیلانی

مکی زندگی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ وَسَلَامٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ

یوں آنے کو تو سب ہی آئے' سب میں آئے' سب جگہ آئے (سلام ہو ان پر) کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے' لیکن کیا کیجیے ان میں جو بھی آیا جانے کے لیے آیا۔

پر ایک اور صرف ایک' جو آیا اور آنے ہی کے لیے آیا' وہی جو آنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا' چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے۔ بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے' چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے' سب جانتے ہیں اور سبھوں کو جاننا چاہیے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کیے گئے' برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اس کو ٹھیک اسی طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے اور ہمیشہ پہچانا جائے گا' جس طرح کل پہچانا گیا تھا کہ اسی کے اور صرف اسی کے دن کے لیے رات نہیں' ایک اسی کا چراغ ہے' جس کی روشنی بے داغ ہے۔

ورنہ جنہوں نے ناموں کو کھویا' کیا وہ اپنے ہادیوں کے کاموں کی نگہبانی کر سکتے تھے' ہمارے ملک میں وید کی صورت میں اوتاروں کا کام پیش کیا جاتا ہے' لیکن لاپرواؤ! تم سے جب ان کے ناموں کا بھی بوجھ نہ اٹھایا گیا تو ہمیں کیا دکھاتے ہو کہ یہ ہے ان کے کاموں کا پشتارہ۔

تاریخ کے تحقیقی ہاتھوں نے ہندوستان کے رہنماؤں اور ان کی امتوں کے درمیان جو اندھیری کھائیاں کھود دی ہیں اور مسلسل کھدتی چلی جا رہی ہیں' کیا اب آدمی کے بس میں ہے کہ ان کو پاٹے۔

کن پر اتری؟ کہاں اتری؟ کن کن زبانوں میں اتری؟ نظم میں اتری کہ نثر میں اتری؟ صدیوں میں اتری؟ جگوں میں اتری؟ جب ان تمام بنیادی سوالات پر ایسے سوالات پر' جن کی تحقیق کے بغیر کسی چیز کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ اٹکا ہوا ہے' تم خود جانتے ہو' کہ ان پر اندھیرا چھایا ہوا ہے بتاؤ کہ شک کی ان دلدلوں میں یقین کا قدم کس طرح اٹھایا جائے گا۔[1]

تم ان سے اوجھل ہو' وہ تم سے اوجھل ہیں' پھر کس راہ سے تم ان کو تاکو گے' جن کو تاک کر تم چلنا چاہتے ہو اور کس طرح وہ اپنے تئیں تمہیں دکھائیں جو اپنے کو دکھا کر تمہیں چلانا چاہتے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ بدھ اور بدھ مت والوں نے تم کو ان سے توڑا ہو حالانکہ سچ یہ ہے کہ بدھ سے بہت پہلے بھارت ورش اور اس کے بچے اپنے اوتاروں سے ٹوٹ چکے تھے' لیکن اپنی غلطی دوسروں پر اڑھانے کے لیے اس کی تہمت بدھ ہی کے ذمہ جوڑی جائے' مگر سوال یہ ہے کہ جن کو بدھوں نے اپنے بزرگوں سے توڑا' کیا ٹھیک اسی کے توڑ پر انہوں نے بدھشٹوں کو بدھ کے قدموں پر چھوڑا؟

اور آج اگر ویدک دھرم کے حقیقی سرچشموں کا دنیا کو سراغ نہیں ملتا تو کیا بجنسہ اسی طرح یقین کے ساتھ کوئی مہاتما بدھ کے اصلی نوشتوں اور واقعی بچنوں کا کہیں نشان دے سکتا ہے؟

ویدک دھرم اگر بالمیک کے قصوں اور مہابھارت کے افسانوں پر قائم ہے' تو اوہام کے جس مجموعے کا آج بدھ مت نام ہے' کیا تحقیق کی نگاہ میں اس کی قیمت بھی اختراعی کہانیوں سے زیادہ ہے؟ آج کس مورخ کے ذخیرہ میں ایسا تیل ہے جس کے چراغ کی روشنی میں کپل وستو[2] کا منی اسی شان میں نظر آئے جیسا کہ وہ واقع میں تھا۔[3]

---

[1] (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا عنوان سنسکرت وید)

[2] (کپل وستو دامن ہمالیہ کے اس شہر کا نام ہے جہاں بدھ پیدا ہوا تھا اور اس کے باپ کا یہی شہر پایہ تخت بھی تھا' قرآن مجید میں انبیاء صالحین کے ذکر میں ایک نام ذوالکفل کا بھی آیا ہے۔ مفسرین کا خیال ہے' روح المعانی ص ٦٧ ج ١٧ یعنی ذوالکفل کے نام میں مختلف اقوال ہیں اور ان میں کوئی بات صحیح نہیں ہے' کیا اس صورت میں اگر کفل کو کپل کا معرب ٹھہرا کر یہ کہا جائے کہ کپل والا ذوالکفل کے معنی ہیں' جیسا کہ بعض کا خیال ہے' تو روایتاً اس کے رد کرنے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے' مذہبی دنیا کا اتنا عظیم انقلابی وجود جیسا کہ بدھ تھا قرآن میں اگر اس کا ذکر ہو تو کیا تعجب ہے' خصوصاً اسلام سے اس کا جو تعلق ہے' جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا یہ بات زیادہ قرین قیاس ہے۔

[3] (دیکھو "ہندوستانی تہذیب ازمنہ وسطیٰ میں" شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد' بیان بدھ مت اور جین مت۔ دراصل اس کے لیے میری کتاب "الکتاب" کا انتظار کیجیے جس میں قرآن کی تاریخی استواری و وثاقت کا مقابلہ دیگر ادیان کی بنیادی کتابوں کی روایتی حیثیت سے کیا گیا ہے۔ یہ قرآن کے پہلے جملہ ذلک الکتاب لا ریب فیہ کی تفسیر ہے) ١٢

اور آرین دھرم کی ہندی شاخ کی بربادی کا الزام تو بدھوں یا جینیوں کے سر تھوپا جاتا ہے' لیکن ایران کی سرزمین میں وہ آگ کس نے لگائی جس میں زرتشت اور اس کے سارے کارنامے ہمیشہ کے لیے جل کر بھسم ہو گئے۔ آج جب بے چارے زرتشت کے وجود میں بھی شک پیدا کیا جاتا ہے اور مورخین کی اکثریت کو' اس وجود کو فرضی اور وہمی ثابت کرنے[4] پر اصرار ہے' تو انصاف کرو کہ اس کے لائے ہوئے دین کا اب کون اقرار کر سکتا ہے؟

گاتھا کیا تھی؟ کہاں تھی؟ کس زبان میں تھی؟

ہے کوئی موبد جو پوچھنے والوں کی تسلی دوسروں کی شہادتوں سے نہیں اپنی خانگی گواہیوں سے کر سکتا ہو! گاتھا کے شروح وتراجم' اوستا اور زنداوستا کا نام بلاشبہ باقی ہے' لیکن اس کی اکیس سورتوں سے بجز ایک سورہ کے جس پر موجودہ آتشکدوں اور ان کے رسوم کی بنیاد ہے' اگر غیروں میں نہیں تو کیا اس پر ایمان لانے والوں کے یہاں بھی کوئی سورۃ پائی جاتی ہے؟

سمجھ میں نہیں آتا ہے' جو جانے ہی کے لیے آئے تھے وہ آ کر جب چلے گئے تو اب ان کی تلاش میں لوگ کیوں سرگرداں ہیں؟

اب ان لکیر پیٹنے والوں سے کوئی ہوتا جو کہتا کہ سانپ نکل چکا ہے' لکڑیاں ٹوٹیں' ٹوٹتی چلی جائیں گی ہاتھ شل ہوں گے اور ہوتے چلے جائیں گے' لیکن سانپ نہیں مرے گا۔

مرگھٹوں پر نالہ کرنے والو![5] زخموں پر واویلا مچانے والو! سن لو! جو جانے کے لیے یہاں آتا ہے' چلے جانے کے بعد پھر یہاں واپس نہیں ہوتا۔ اس دنیا کی ریت یہی ہے پھر جو جا چکے ان پر تم کب تک روؤ گے؟ اور یہ حال تو ان کا ہے جن کے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہر پچھلے کے لیے پہلوں کے گانٹھے ہوئے منصوبے ان کے دین بن جاتے' دھرم ان کے یہاں صرف اسی شخص کی بات ہے جو ان سے پہلے اس دنیا میں ہو یا اٹھارہویں صدی والوں نے جو خیالی پلاؤ پکایا' انیسوی صدی والوں کے لیے یہی دینی غذا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ ۱۰ عیسوی میں وسوسوں کا جو جال بنایا گیا ۲۰ عیسوی میں وہی نجات کی کشتی بن جاتی ہے اور یہ کیفیت ان کی ہے جن کے پاس اپنے بزرگوں کے نام کے سوا کام کا کوئی تنکا بھی باقی نہیں۔

---

[4] (دیکھو "فجر الاسلام" ڈاکٹر طہٰ حسین مصری)

[5] (دخمہ ان کنوؤں کا نام ہے جن میں پارسی اپنے مردوں کو سلاخوں میں ٹیک لگا کر اس لیے کھڑا کر دیتے ہیں کہ گدھ میں چیلیں انہیں نوچ کر کھائیں) ۱۲

لیکن وہ جن کا دعویٰ مذہب کے میدان میں سب سے اونچا ہے، جنہوں نے اپنا نام ہی کتاب والا رکھا ہے، کیا واقعی جن کتابوں کا پشتارہ اپنی پیٹھوں پر لادے وہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں مارے مارے پھرتے ہیں، یہی یہودی اپنی کتابوں کی راہ سے ان موسیٰ علیہ السلام کو پا سکتے ہیں جن کی زندگی سے وہ اپنی زندگی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

مصریوں کی غلامیوں میں صدیاں کاٹنے والے بنی اسرائیل کے آوارہ گرد صحرانوردوں کو جب خدا کے پیغامبر موسیٰ علیہ السلام آسمانی تختیاں سونپ کر کے موآب کی سرزمین میں بحالت مسافرت آسودہ ہوئے، سب جانتے ہیں کہ ان میں اس وقت یعقوب کے گھرانے کے بارہ اسباط اور خانوادے شریک تھے، یہی بارہ اسباط تھے، جنہیں حضرت موسیٰ نے اپنی زندگی کا محافظ ونگران ٹھہرایا تھا، لیکن ان بارہ سبطوں میں سے دو ایک نہیں پورے دس[1] اسباط کو جب نینوا کے نمرود شلما نصر اور اس کے بیٹے سرگون نے شامرون کے شہر سے نکالا۔

جو ذبح ہوئے، جو قتل ہوئے، جو جلائے گئے زن ومرد، بچوں، بوڑھوں کی ان لاکھوں کی تعداد کو چھوڑ کر جن بے کسوں کو زنجیروں میں جکڑ کر سیوں میں باندھ کر سرگوں نے ایشیا کے شمالی ومشرقی کوہستانوں میں جنگلی جانوروں کی طرح کھدیڑ دیا تو کیا دنیا نہیں جانتی کہ اسرائیل کی ان کھوئی ہوئی بھیڑوں نے اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو ان کی کتاب کو دنیا کے کسی حصہ میں پھر کبھی بھولے سے بھی یاد کیا؟

ہوں گے، شامرون کے بن باسی اسرائیلی ہوں گے، دنیا کی ان ہی قوموں میں ہوں گے جو ایشیا کے شمال مشرقی حصوں میں آباد ہیں، لیکن کیا ہندوستان کے برہمن اپنے اسرائیلی ہونے پر فخر کر سکتے ہیں؟ افغانستان کے باشندے یہودی ہونے کی گالی برداشت کر سکتے ہیں؟ سندھیوں اور بلوچستانیوں میں کوئی یہ یقین پیدا کر سکتا ہے کہ وہ شامرون ہی کے

---

[1] (بنی اسرائیل کے یہ دس اسباط کہاں گم ہو گئے، مورخین کا اس کے متعلق مختلف خیال ہے، عام رجحان یہی ہے کہ افغانستان اور سرحد کی پہاڑیوں میں رہنے والے شاید یہی لوگ ہیں جنہوں نے پہلے بدھ مذہب اور اخیر میں اسلام قبول کیا۔ درہ خیبر کوہ سلیمان وغیرہ اس میں قرائن کے سوا ان کی شکل وصورت، عادات واطوار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے نیز توراۃ کا کوئی حصہ بھی سرحدی قبائل میں کسی مورخ کو ملا تھا، خود بھی ان میں بعض اپنے آپ کو اسرائیلی کہتے ہیں، پشتو زبان کے الفاظ میں بھی اس کے قرائن ہیں، اسی طرح بعضوں کا خیال ہے کہ سندھ میں شامرونی تمدن کے آثار جو ملتے ہیں وہ شامرون کے ان ہی اسرائیلیوں کے ہیں بعض لوگ راج پوتانہ کے مارواڑی ساہوکار اور ہندوستان سے برہمنوں کو اسرائیلی قرار دینا چاہتے ہیں) ۱۲ واللہ اعلم

یہودیوں کی نسل سے ہیں؟ مارواڑ کے سودی کاروبار کرنے والے ساہوکاروں کو کوئی باور کرا سکتا ہے کہ ان کے اجداد فلسطین کے رہنے والے تھے؟ وہ موسیٰ علیہ السلام سے بچھڑ گئے اور یہی ان کے لیے مقدر تھا۔ آخر بیکسوں کا یہ مرحوم قافلہ اپنے ساتھ اپنے ان فاقہ زدہ ڈھانچوں کے سوا اور کیا تھا؟ جن کے ساتھ ان کی جانیں اٹکی ہوئی تھیں یا لوہے کی وہ زنجیریں اور سن کی رسیاں جن میں جکڑے ہوئے اپنے گھروں سے نکالے گئے تھے۔

''موسوی شریعت'' ''موسوی سیرت'' کی حفاظت کی بڑی قوت اس طرح دنیا کی دوسری قوتوں میں کھپ گئی۔

اب دینی میثاق کا سارا دارومدار اسرائیل کے محض ان دو سبطوں کے بچے کھچے لوگوں پر رہ گیا جو فلسطین کے جنوبی علاقے میں آباد تھے اگرچہ عملاً موسیٰ علیہ السلام اور ان کی شریعت سے وہ بھی دور ہو چکے تھے لیکن اسماً پھر بھی قریب تھے۔

پر جو جانے کے لیے آیا تھا اس کے جانے کی آخری گھنٹی بھی بجا دی گئی' آنے والے کی روانگی کا وقت آ گیا' آشوری برباد ہوئے' بابل آباد ہوا' اسی بابل کا مشہور نمرود بخت نصر آندھی کی طرح اٹھا' بادل کی طرح چڑھا اور صاعقہ بن کر گرا۔ اسرائیل کے ان دو پسماندہ سبطوں پر [2] فَجَاسُوْا خِلَالَ الدِّيَارِ جس کی تفسیر میں یہودی اور غیر یہودی ہر قسم کے مورخین کا بیان ہے۔

''پوری قوم بنی اسرائیل کو مع زن و فرزند گرفتار کرایا' خانہ خدا کی تمام چیزیں لوٹ لیں' سلیمان کی بنائی ہوئی مقدس عمارت کو کھود کر زمین کے برابر کر دیا' سارا شہر منہدم کر ڈالا' گرد کی فصیل گرا دی' ہر جگہ آگ لگا دی' ہر چیز جلا کے خاک کر ڈالی'' [1] اور یہ ان کے شہر اور ملک کا حال ہوا خود موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب کے آخری نگرانوں پر کیا گزری؟ [2]

ساری قوم بنی اسرائیل کی گرفتار ہو کے بابل روانہ ہوئی' بخت نصر یہودیوں کے بادشاہ صدقیاہ کو بھی اپنے ساتھ پکڑ کر لے گیا اور بابل میں پہنچنے کے بعد اس کے بیٹے اس کی آنکھوں کے سامنے طرح طرح کے عذابوں سے قتل کیے گئے اور یہ جگر پاش منظر دکھانے کے ساتھ ہی اس کی آنکھیں پھوڑ ڈالی گئیں تا کہ پھر خوشی کی چیز نہ دیکھ سکے' کتاب مذکورہ ص ۶۱۔

---

[1] تاریخ یہود مولفہ شرر ص ۶۱

[2] (قرآن کی آیت ہے جس میں اسرائیلیوں کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے ملک میں زور آور قوتیں گھس پڑیں) ۱۲۔

یہودیوں کا بادشاہ اندھا کیا گیا اور یہودی اگرچہ زندہ رکھے گئے لیکن کیسی زندگی؟
''سخت محنت اور جفاکشی میں رہتے اور اپنی حالت کو یاد کر کے روتے' انہیں اپنی مذہبی رسموں کو بجالانے کی ممانعت' نہ قربانی کر سکتے تھے نہ روزے رکھ سکتے تھے'' کتاب مذکور ص ۱۶۔
عملاً وہ اس طرح موسوی شریعت کی رسوم سے بھی جدا کیے گئے اور یہودیوں کا جو کتابی سرمایہ تھا اس کے متعلق تاریخ کی یہ اتفاقی شہادت ہے۔
''تورات مقدس اور قدیم آسمانی صحف انبیاء کا کہیں پتہ نہ تھا اس لیے کہ بابل والوں کے طوفان بے تمیزی نے ان کی قدیم تاریخ اور اگلے اسرائیلی لٹریچر کے ساتھ ان مقدس کتابوں کو بھی فنا کر دیا تھا۔'' کتاب مذکورہ ص ۵۹۔

اسرائیل کے یہی دو سبط موسوی دین کا آخری سہارا تھے سو ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا۔
یہ سچ ہے کہ غلامی کی اس رسوا زندگی اور اسیری کی ان ذلیل گھڑیوں سے اولادِ یعقوب کو ایک مدت کے بعد نجات میسر آئی۔ اس وقت نجات میسر آئی جب اسیر ہونے والے زندگی کی قید سے آزاد ہو چکے تھے اور صرف ان کے دو بچے رہ گئے تھے جنہوں نے اس ملک میں آنکھیں کھولیں' جہاں ان کے مذہب کی تعلیم ممنوع تھی اور مذہبی رسوم کی بجا آوری جرم ٹھہرائی گئی تھی' لیکن اپنے ماں اور باپ کی نالہ وبکا کے شور میں ان کے کانوں تک آواز پہنچتی تھی کہ وہ بھی کسی دین کے وارث اور خدا کے پیغمبرؑ کی ودیعت کے پاسبان ہیں۔
گریہ وواویلا کی ان آوازوں کا یہ اثر تھا کہ جب (سائرس) شاہ ایران نے نمرود وعراق کی حکومت کا تختہ الٹ کر اسرائیلیوں کو بھی آزادی بخشی تو ان کی بڑی جماعت ہانپتے ہانپتے راکھ کے اس ڈھیر پر پہنچی جو سلیمان وداؤد کے شہر وہیکل کے جلانے کے بعد یروشلم کے میدانوں میں پڑی ہوئی تھی' یہودیوں کے اس پہلے قافلے کے دن گویا رونے اور پچھتانے ہی کی نذر ہوئے تا ایں کہ وہ قافلہ بھی آ گیا جس میں دین کے غم خوار وہ اسرائیلی نوجوان عزرا یا عزیر (علیہ السلام) بھی تھے' ان کے یاد دلانے پر لوگوں کو موسیٰ کی اس کتاب کا خیال آیا جو نہ دنیا میں کاغذ کے اوراق پر موجود تھی اور نہ بابل کی زندانی زندگی میں پیدا ہونے والے یہودیوں کے دماغ میں اس کا کامل کیا بلکہ ناقص سا بھی کوئی ہلکا سا خاکہ موجود نہ تھا۔

الٹا گیا' خاکستر کا وہی تو دہ الٹا گیا' کہا جاتا ہے کہ راکھ اور کوئلہ کے اسی ڈھیر کے نیچے کسی تہ خانہ کے اندر سے عزیر علیہ السلام کو توراۃ کا وہ نسخہ ہاتھ آیا جس کی حفاظت اسرائیل کے دو اسباط اس طرح کرتے آ رہے تھے کہ یہودیوں کے گھروں میں نہیں بلکہ ہیکل میں صرف اس کا ایک نسخہ رہتا تھا' جسے ساتویں سال یہود اس طرح سن لیا کرتے تھے جس طرح آج دنیا کے مسلمان ہر سال تراویح کی شکل میں ہر شہر اور ہر گاؤں میں قرآن کا سننا ضروری سمجھتے ہیں۔

راکھ کے نیچے کا یہی نسخہ تھا جو کسی نہ کسی طرح خدا کی قدرت سے جیسا کہ یہود کہتے ہیں آگ کے ان شعلوں سے محفوظ رہ گیا تھا جس نے سلیمان کی ہیکل کا تنکا تنکا جلا کر خاک کر دیا تھا جو بعد میں ان تمام نسخوں کی اصل قرار پایا جنہیں آئندہ یہودیوں نے اپنی نجات کا ذریعہ ٹھہرایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کی ساری راہیں جب قطعی طور پر بند ہو چکی تھیں' اس خاکستری نسخہ کا ایک سوراخ نکل آیا' جس سے جہاں تک ممکن تھا یہودی حضرت موسیٰ کو پھر دیکھ سکتے تھے' لیکن زمانہ نے اس سوراخ کو بھی زیادہ دن تک کھلا نہ رکھا اور ایک دفعہ نہیں بار بار ہر سو دو سو سال کے بعد کبھی یونان سے' کبھی روم سے ایسے جبار اٹھے جو رہ رہ کر اس سوراخ کو بند کر دیتے تھے اور یہودی کھود دیتے تھے۔ (انٹونیس) یونانی نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر پھر توراۃ کے نسخوں کو جلا کر دنیا سے ناپید کیا' ہیکل کو پھر زمین سے برابر کر کے اس کی جگہ جو پیٹر کا مندر بنایا لیکن باوجود یکہ انٹونیس کا یہ خونی حکم تھا کہ "جس کے پاس توراۃ کا ایک ورق بھی ملے' وہ مارا جائے" تاہم یہودی کہتے ہیں کہ مقامی یہودی بادشاہ کے زمانہ میں انہوں نے پھر اس کتاب کو زندہ کر لیا' انٹونیس کے بعد رومی قہرمان طیطس کا فتنہ آگ کی طرح اٹھا اس نے گیارہ لاکھ یہودوں کو قتل کیا ہیکل اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں نذر آتش ہوا' توراۃ پھر دنیا سے جل کر ناپید ہوئی' لیکن یہودی کہتے ہیں "انہوں نے کسی نہ کسی ذریعہ سے اسے پھر پیدا کر لیا" حالانکہ تورات بجز ہیکل یا شاہی خزانہ کے اور کہیں نہیں رہتی تھی۔ طیطس کے بعد روم کے قیصر ہڈرین نے پھر پانچ لاکھ یہودیوں کو ذبح کر کے ان کی کتاب کے ساتھ وہی کیا جو پہلوں نے کیا تھا۔ اس نے بھی جو پیٹر کا دیوتا اسی جگہ قائم کیا' جہاں کبھی سلیمان علیہ السلام نے اللہ کی مسجد بنائی تھی۔ اس نے یروشلم کا نام بدل کر ایلیاہ رکھ دیا۔ آغاز اسلام تک بیت المقدس اسی نام سے موسوم تھا تا ایں کہ آنے والا آیا اور جس طرح اس نے دنیا کے پاکوں کی تقدیس کی' یہودیوں کے اس پاک شہر کا نام بھی بیت المقدس ہو گیا۔

ہوتا رہا‘ تباہیوں کا اور بربادیوں کا یہ سلسلہ یونہی جاری رہا‘ سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچنے کا یہ تنگ وتاریک سوراخ حوادث وواقعات کے طوفانوں میں کہاں تک کھلا رہ سکتا ہے اور اس پر یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ بچھڑنے کے بعد بھی وہ اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے نہیں بچھڑے۔ دنیا فیصلہ کر سکتی ہے کہ یہودی جس آئینہ کو پیش کر رہے ہیں کیا اس میں واقعی حضرت موسیٰ اور ان کی پاک تعلیم کی وہ صورت نظر آ سکتی ہے جو واقعی ان کی صورت تھی؟ راکھ کے اس ڈھیر سے ''موسوی شریعت'' کا جو سانچہ تیار کیا گیا ہے‘ کیا سچ مچ وہ حضرت موسیٰ کی تعلیم کا سچا قالب ہو سکتا ہے؟ سچائی کی پیاس ہی جن میں بجھ کر رہ گئی ہو‘ جن کو بجائے یقین کے شک ہی کے انگاروں پر لوٹنے میں ٹھنڈک میسر آتی ہو‘ ان سے بحث نہیں ہے لیکن جن میں صداقت کی تڑپ ہے جو واقعی ایمانی بشاشت کی تلاش میں ہیں کیا شبہات وشکوک کے ان گھپ اندھیروں میں‘ وساوس واوہام کے ایسے خطرناک گھنے جنگلوں میں اس لیے گھس سکتے ہیں کہ ان کو وہاں ابدی زندگی کا چشمہ نصیب ہوگا۔

کیسی عجیب بات ہے کہ تقریباً دو ہزار سال سے جس خاکستری توراۃ کے بھی صرف ترجموں اور غلط سلط ترجموں در ترجموں کا دنیا میں رواج ہو۔ جس میں ایسے واقعات اور اسماء بکثرت پائے جاتے ہوں‘ جو قطعی طور پر حضرت موسیٰ کے بعد کے ہیں‘ اف! جس میں خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات‘ ان کی تجہیز وتکفین تک کی داستان درج ہو (استثناء باب ۳۴) کسی میں جھوٹ کو برداشت کرنے کی اتنی صلاحیت ہے کہ اس کو پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب قرار دے۔ ممکن ہے کہ مذہب میں منطق کو دخل نہ ہو‘ لیکن کیا اس حد تک کہ علانیہ جن کتابوں میں پیغمبروں پر شراب خوری یا حرام کاری کا الزام لگایا گیا۔ لوط جیسے اولوالعزم نبی کو (العیاذ اللہ) اپنی بیٹیوں سے ملوث کیا گیا ہو‘ خداوند قدوس کے کلام کو ایسی فحش گالیوں سے بھرا گیا ہو جن کو بازار کے غنڈے بھی اپنی زبانوں پر لاتے شرماتے ہوں‘ جس کتاب کا خدا پچھتاتا ہو‘ روتا ہو‘ کیا یہ اس رب قدوس کی کتاب ہو سکتی ہے جس کی تقدیس وتحمید کا ترانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد کے رسولوں نے دنیا کو سنایا تھا؟

اس رومن کیتھولک پادری کے قلم سے گومناظرہ کے جھونک ہی میں سہی‘ لیکن ایک پروٹسٹنٹ عیسائی کو مخاطب کرتے ہوئے کتنے صحیح الفاظ نکل آئے ہیں۔

اب میں کسی پروٹسٹنٹ سے پوچھتا ہوں کہ بھلا وہ اپنی نجات کی دلجمعی صرف ایک ایسی کتاب کے بھروسہ پر رکھ سکتا ہے' جسے وہ کلام الٰہی نہیں ثابت کر سکتا' ایک کتاب جسے وہ سمجھ نہیں سکتا' ایک کتاب جسے جہلا وضعفاء اپنی ہلاکت کے لیے پڑھتے ہیں' ایک کتاب جس کے اکثر حصے کھوئے گئے ہیں' ایک کتاب جو از بس غلطیوں سے بھری گئی اور ناقص کی گئی ہے' جس میں نجات پانے کی سب ضروری چیزیں نہیں ہیں۔ ایسی کتاب کیا ایمان کا قاعدہ کلی اور نجات کی مکمل راہ ہو سکتی ہے؟[۵] "جو اپنی" دینی شریعت" کا سرچشمہ اس کتاب کو قرار دیتے ہیں جب ان کی یہ شہادت ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ خدا کے یہاں سے جو کتاب جانے ہی کے لیے آئی تھی اس کے جانے کا وقت آ گیا تھا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ بخت واتفاق یا بے نظمی کے تحت نہیں بلکہ تقدیری نظام کی ماتحتی میں وہ آئی بھی اور اسی قانون کے زیر اثر وہ جہاں سے آئی تھی وہیں چلی گئی اور جس طرح اسرائیل کے دس اسباط کو بچھڑنے کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کی تعلیم سے ملنا نصیب نہ ہوا' تقریباً کچھ اسی طرح وہ دو اسباط بھی کھوئے گئے' اگرچہ اب تک اسی غلط فہمی میں ہیں کہ ہم پائے ہوئے ہیں۔

باقی رہی دنیا کی وہ مذہبی جماعت جس کے پیغمبر نے اگرچہ کل اپنی ڈھائی سال کی نبوت کے بعد ان سے کھلے لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ "میرا جانا ہی تمہارے لیے بہتر ہے کہ آنے والا میرے جانے کے بغیر نہیں آئے گا۔"

اور یہ کہہ کر وہ جانے ہی کے لیے آیا تھا چلا گیا' پر عیسائی کہتے ہیں کہ نہیں گیا' مگر جب پوچھا جاتا ہے کہ تم مسیح علیہ السلام اور ان کی زندگی کو کن راہوں سے پاتے ہو' تو دیکھنے کا وہ وقت ہوتا ہے جب یہ ایک دوسرے کو تاکتے ہیں' گھورتے ہیں' کیا مسیح کی کوئی کتاب تمہارے پاس ہے؟ کیا اس کی کتاب کا کوئی ترجمہ تمہارے پاس ہے؟ حیرت کی خاموشی کے سوا ان مسکینوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے' نامعلوم الاسم والحال شخصیتوں کے ہاتھوں کے کچھ میلادی مسودے ہیں' جن کی وقعت مسلمانوں کے ان عام میلادی رسالوں سے زیادہ نہیں' جنہیں سعیدی یا شہیدی وغیرہ ناموں سے دو دو تین تین آنے پیسے لے کر گشتی مولودخواں ہندوستان میں پڑھتے پھرتے ہیں۔ ان ہی رسالوں کا نام انجیل رکھا گیا ہے اسی

---

۵ (ترجمان القرآن مضمون ذوقی صاحب بحوالہ کتاب مراۃ الصدق مصنفہ پادری بیڈلی مترجمہ مسٹر نکلسن ص ۱۶۱)

قسم کی ہزار ہا انجیلوں سے انتخاب کر کے ڈھنڈورا پیٹ دیا کہ خدا کی کتاب مل گئی' نجات کی روشنی مل گئی۔

اور ان کتابوں کا انتخاب کس طرح ہوا' ہر عیسائی جانتا ہے کہ[9] نیقیہ کونسل والوں نے گرجا کے صدر مقام پر انجیلوں کے اس انبار کو تہ بر تہ کر کے رکھ دیا' کہا جاتا ہے کہ اس کے نیچے جبوں والے پادری سجدے میں گر کر آنکھیں بند کر کے یہ دعا کرتے رہے' دل ہی دل میں یہ منتر پڑھتے جاتے تھے۔

''جو جھوٹی ہے سو گر جائے'' کہتے ہیں کہ سب گر گئیں' صرف چار اور ان کے ساتھ پولوس کے کچھ خطوط بھی گرنے سے رہ گئے۔ سجدے سے سر اٹھا کر وہی سر پر رکھی گئیں۔

اس کے بعد ''مسیح علیہ السلام کی سچی انجیل یہی ہے۔'' اس آواز سے آسمان کو سر پر اٹھا لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ کونسل کے ان پادریوں میں سے دو کا انتقال بھی ہو گیا تھا۔

ان کی قبروں پر اس رپورٹ کی مسل رات کو رکھ دی گئی' صبح کو توثیقی دستخط اس پر ثبت شدہ تھے' تصحیح و تغلیط تنقید و تنقیح کے اس عجیب و غریب انوکھے طریقہ پر شائد دنیا نے نہ اس سے پہلے کبھی عمل کیا تھا نہ ان کے بعد کسی کو اس کی نوبت آئی۔

اسی فیصلہ سے یقین پیدا ہوا اور اسی یقین پر عیسائی جی رہے ہیں۔

[10] اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ حالانکہ جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے فرمادیا تھا کہ ''میرا جانا ہی تمہارے لیے مفید ہے۔'' اس پر عیسائی کان دھرتے اور جو جا چکا تھا اس کے ٹھہرنے رہنے پر اصرار نہ کرتے تو مسیح کے جانے کے بعد جو جانے کے لیے نہیں بلکہ آنے کے لیے آیا۔ اس کے پہچاننے میں انہیں کتنی آسانی ہوتی نہ میز سے انجیل گرانے کا منتر پڑھنا پڑتا نہ مردوں سے دستخط لینے کی ضرورت پیش آتی۔

---

9 (مشرقی روم کا ایک شہر تھا جس کو انگریزی میں فیلس کہتے ہیں ۳۲۵ء میں قسطنطین اعظم کے ایما سے اس شہر میں علماء نصاریٰ کی ایک مشہور کونسل ہوئی جس میں تین سو سے زیادہ بشپ اور پریسٹرس شام و عراق سے لے کر جزائر برطانیہ تک شریک تھے۔ دو مہینے تک اس کے اجلاس بادشاہ کی صدارت میں ہوتے رہے اور اسی کونسل نے ''تین ایک ہے' ایک تین ہے'' کے معمہ کو مسیحی مذہب کا جزو اعظم بلکہ بنیاد ٹھہرایا)

10 (افسوس ہے تم پر اور جن کو تم پوجتے ہو)

اور کیا صرف مسیح علیہ السلام نے آنے والے کے آنے کا دنیا کو منتظر بنایا تھا جو مسیحؑ کے جانے کے ساتھ ہی آ گیا۔ اس پر کیا تعجب ہے کہ انہوں نے اتنا قریب سے اس کو دیکھ لیا اور سچ تو یہ ہے کہ ڈھائی سال کی اس نبوت کا مقصد اگر بجائے تعمیر کے عیسائی بھی اسی طرح آنے والے کی تبشیر اور [۱۱] "وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" قرار دیتے جیسا کہ قرآن نے قرار دیا ہے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی جگہ وہ اسی کو ڈھونڈتے' جس کے بتانے کے لیے مسیح علیہ السلام تشریف لاتے تھے۔

بہر حال مسیح [۱۲] نے اگر یہ کہا تو یہی کہنے کے لیے وہ آئے تھے' مگر جس طرح مغربی زمینوں کو درست کرنے والے نے اپنا فرض اس طرح ادا کیا' دیکھو کہ اس سے پانچ سو برس پہلے مشرقی ممالک کو ایک مشرق بنانے والے نے بھی' جس نے دھرم کا نرسنگھا ایران سے چین کی دیواروں تک پھونکا۔ سنو! چلتے ہوئے اس نے دنیا کو کیا وصیت کی! اگرچہ بہت کچھ مٹ چکا ہے لیکن مٹنے سے جو چیزیں بچ گئی ہیں اس میں مہاتما بدھ کا یہ آخری فقرہ اب تک زندہ ہے جس کو اپنی زندگی ختم کرتے ہوئے خدا کے اس بندے نے اپنے شاگرد نندا کے کان میں اس وقت ڈالا جب اس کی سانس اکھڑ رہی تھی اور اس کا مخلص خادم اس کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے یہ کہتے ہوئے دھو رہا تھا "آقا آپؐ کے جانے کے بعد دنیا کو کون تعلیم دے گا۔"

بدھ نے اس کے جواب میں کہا "نندا! میں پہلا بدھ نہیں ہوں جو زمین پر آیا نہ میں آخری بدھ ہوں' اپنے وقت پر دنیا میں ایک اور بدھ آئے گا۔

---

[۱۱] (مژدہ سناتے ہوئے اس بات کا مسیح نے' کہ میرے بعد ایک رسول آ رہا ہے جس کا نام "احمد" ہے قرآن کی اس مشہور آیت کا ترجمہ ہے جو سورہ صف کے پہلے رکوع کی آیت ہے۔ یہی لفظ ہے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں "فارقلیط" "پرکلوطوس" سے کیا گیا ہے' جس کے ترجمہ میں ہر سال اصلاح کی جاتی ہے "روح القدس" "تسلی دہندہ" "شفیع" وکیل "روح حق" اور خدا جانے کیا کیا لیکن محققین علماء نصاریٰ میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے اس کا ترجمہ "احمد" ہی صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھو خطبات احمدیہ سرسید احمد خاں) ۱۲۔

[۱۲] (واقعہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام سے ساڑھے چار سو برس پیشتر ہندوستان میں بدھ مت کے نام سے ایک تحریک اٹھی جس نے بتدریج متعدد و متفرق مشرق (جاپان' چین' ہندوستان' ترکستان' تاتار' منگولیہ وغیرہ) کو ایک مذہبی رشتہ میں جوڑ کر ایک مشرق بنا دیا۔ اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی بدولت متعدد مغرب ایک مغرب بن گیا جب یہ ہو چکا تب وہ آیا جس نے مشرق و مغرب کے قصہ کو ختم کر کے دنیا کو ایک دنیا' ایک مذہب' ایک کتاب' ایک قبلہ والی دنیا بنا دیا۔ اسی لیے میں بدھ کو آنحضرتؐ کا مشرقی نقیب اور مسیح علیہ السلام کو مغربی نقیب خیال کرتا ہوں) ۱۲۔

مقدس' منورالقلب' عمل میں دانائی سے لبریز' مبارک' عالم کائنات' انسانوں کا عدیم النظیر سردارؐ جو غیر فانی حقائق میں ظاہر کرتا رہا ہوں' وہ بھی وہی ظاہر کرے گا' وہ ایک مکمل اور خالص مذہبی نظام زندگی کی میری طرح تبلیغ کرے گا۔"

نندا نے کہا "ہم اس کو کس طرح پہچانیں گے۔"

آقا نے فرمایا "وہ 'میتریا' کے نام سے موسوم ہوگا۔"

۱۱۶ اکتوبر ۱۹۳۰ء کی اشاعت میں الٰہ آباد کے مشہور انگریزی اخبار لیڈر میں ایک بدھشت کا یہ مضمون صفحہ سات کالم تین میں شائع ہوا تھا جس میں اسی 'میتریا' لفظ کا ترجمہ نامہ نگار مذکور نے لکھا ہے۔

"وہ جس کا نام رحمت ہے۔"

کیا اس کے بعد اس میں شک کرنے کی گنجائش ہے کہ رحمۃ للعالمینؐ کا مغربی مقدمۃ الجیش اور مبشر جاتے ہوئے اپنے جس فرض سے سبکدوش ہوا تھا بجنسہ اسی فرض کو اس نے بھی خوبی کے ساتھ ادا کیا' جس کو خواہ دنیا کچھ ہی خیال کرتی ہو' لیکن واقعات بیان کرتے ہیں کہ وہ بھی جہاں کے ابر رحمت کے لیے مشرق کی کھیتیوں کا تیار کرنے والا تھا اور بلاشبہ چین' ایران' بخارا' خراسان' ترک' تاتار' منگولیہ' افغانستان' سرحد' بلوچستان' سندھ و ہندوستان کے بودھوں نے رحمت کی اس بارش سے جتنا فائدہ اٹھایا دنیا کی کسی قوم نے نہیں [۱۳] اٹھایا کاش ایسا ہوتا کہ مغربی نقیب کے ماننے والے بھی بجائے تین کو ایک' ایک کو تین ثابت کرنے کے لایعنی جھگڑوں کے بجائے اپنے ہادی کی اس آرزو کو پورا کرتے' جس کا پورا کرنا اس کے وجود کا سب سے بڑا مقصد تھا (صلوۃ اللہ علیھم والسلام) اور قریب ہے کہ اپنی اس آرزو کو وہ ان سے پوری کرائے۔

اور کیا مشرق و مغرب کے ان دونوں نقیبوں ہی نے دنیا میں اس آنے والے کی آمد کا گھنٹہ بجایا؟

جو [۱۴] "عہد کا رسول" اور "میثاق کا نبی" تھا اس کے متعلق عہد کرنے والوں میں سے کس نے عہد شکنی کی' یہ دونوں تو اس سے بہت زیادہ دور نہ تھے لیکن جو اس سے دور اور بہت دور

---

۱۳ (مناسب تھا کہ اس عنوان پر موجودہ بودھسٹ تاریخ سے انتخاب کر کے کوئی صاحب مستقل کتاب تصنیف کرتے اس کی شدید ضرورت ہے)

۱۴ (قرآن کے سوا ملاکی نبی کی کتاب میں آنحضرت کا یہ لقب بجنسہ موجود ہے)

تھے' انہوں نے بھی دنیا کے آگے کیا اس سے اپنا قرب نہیں جتلایا' سینا کی روشنی میں حضرت کلیم کو دکھایا گیا' دیکھ کر وہ چلائے۔

''خدا سینا سے نکلا' سعیر سے چمکا اور فاران[۱۵] ہی کے پہاڑوں سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ'' (پیدائش باب ۱۷، ۲۰)

دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کو بھی دیکھ رہے ہیں اور اس کے صدقہ میں ہزار رہا برس پہلے ان کو بھی دیکھ رہے تھے' جنہوں نے صرف اس کو دیکھ کر ملائکہ کا رتبہ حاصل کیا' ایک دو کو نہیں دیکھا بلکہ ان کی دس ہزار کی تعداد کو دیکھا' ان کی قدوسیت کی شہادت[۱۶] ادا کی۔ داؤد علیہ السلام اس کے گھر کی تمنا میں بے چین ہو ہو کر اپنی بانسری سے یہ پُرسوز لے پیدا فرماتے تھے۔

''مبارک ہیں وہ تیرے گھر میں بستے ہیں' وہ سدا تیری حمد کرتے ہیں' وہ بکہ سے گزرتے ہوئے' ایک کنواں بناتے ہوئے۔'' (زبور باب ۱۸)

قرآن نے اگر مکہ ہی کا نام بکہ بتلایا تو تم کو اطمینان نہیں ہوا' لیکن جب قرآن کے مشہور دشمن مارگولیتھ نے بھی گواہی دی کہ زبور کا یہ بکہ عرب کے مکہ کے سوا اور کوئی جگہ[۱۷] نہیں ہو سکتی تو منکراب کیوں چپ ہیں' حالانکہ جس کے باپ نے بیابان میں اپنی بانسری بجائی تھی۔ اسی کے بیٹے سلیمان علیہ السلام نے اپنے شاہی تخت پر اس کے آگے سر بھی جھکایا تھا۔ اشاروں کنایوں میں نہیں علانیہ نام لے کر اپنے دل کی اس لگن کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا۔

وہ خلو'' محمدیم زہ ودی زہ رعی'' (تسبیحات سلیمان پ ۵:۱۲)۔

''وہ ٹھیک محمدؐ ہیں۔ وہ میرے محبوب ہیں' میری جان'' اور کیا اس کے لیے اس کے گھر کے لیے صرف حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام ہی تڑپے!۔

''بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار (بن اسماعیل) کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں گے' سلع کے باشندے ایک گیت گائیں گے' پہاڑیوں کی چوٹیوں سے للکاریں گے' وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔'' (یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۴۲)

---

۱۵ (فاران بکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے۔ بائبل کے لٹریچر کے لحاظ سے یہ ایک بدیہی حقیقت ہے' تاہم حق پوشی کے لیے بجائے عرب کے اس کو دنیا کے دوسرے خطوں میں تلاش کرتے ہیں۔ خطبات احمدیہ میں سرسید مرحوم نے اس پر مفصل بحث کی ہے) ۱۲۔

۱۶ (بخاری میں ہے آنحضرتؐ فتح کر کے جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے ساتھ اس وقت دس ہزار اصحاب کرامؓ تھے)

۱۷ (دیکھو سیرت شبلی مرحوم بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا لفظ ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) ۱۲۔)

سچ کو جھوٹ بنانے کے لیے تم پہاڑوں کو مٹا نہیں سکتے' مدینہ منورہ کے ہر بچے سے اب بھی پوچھ سکتے ہو کہ وہ اپنی بکریوں کے لیے گھاس کس پہاڑ کے دامن [۱۸] سے لاتے تھے۔

جب آنے والا مکہ سے مدینہ آ رہا تھا اور جس کو حبقوق نبی نے دیکھ کر صدیوں پہلے اس طرح خوشی کا نعرہ مارا:

''اللہ جنوب سے' اور وہ جو قدوس ہے' کوہ فاران سے آیا اور اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا' زمین احمد کی حمد سے بھر گئی۔'' (کتاب نبی مذکور باب ۳)

اور یسعیاہ نبی اپنے جوش بیان میں اس کا غلغلہ اسی طرح بلند کر رہے تھے۔''عرب کے صحرا میں رات کاٹو گے' اے ودانیو کے قافلو! پانی لے کر پیاسے کا استقبال کرنے آؤ' اے تیماء کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والوں کو ملنے آؤ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے' ننگی تلواروں' کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔'' (یسعیاہ باب ۲۱) کیا آنے والے کی اس آمد پر دامن سلع کے باشندے مدینہ والے طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا اور اسی قسم کے جن گیتوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر للکار رہے تھے دنیا کی کسی قوم کے حافظہ میں اب وہ گیت محفوظ نہیں ہیں دیکھو! اسی للکاروں سے قیدار کی اولاد (قریش مکہ کی عظمت بدر کے کنوئیں میں غرق ہوئی) کیا ٹھیک تاریخ کی قید کے ساتھ وقوع سے پہلے اور سینکڑوں سال پہلے ہی یسعیاہ پیغمبر یہ کہتے ہوئے چلا نہیں رہے تھے۔

''ٹھیک ایک سال مزدوروں کے ایک سال میں قیدار کی ساری حشمت خاک میں مل جائے گی۔''

اور میں کیا بتاؤں کہ ان پیمان وفا باندھنے والوں نے کتنی قوت کے ساتھ اپنے اپنے وعدوں کا ایفاء کیا ہے' حالانکہ ان کا سب کچھ مٹا دیا گیا ہے' لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کس کی قوت نے ان خاص نوشتوں کو مٹنے سے بچا لیا' ملاکی نبی نے سچ فرمایا تھا۔

''وہ خداوند جس کی تلاش [۱۹] میں تم ہو' ہاں! عہد کا رسولؐ جس سے تم خوش ہو' وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آئے گا' دیکھو! وہ یقیناً آئے گا رب الافواج فرماتا ہے! پر اس کے آنے کے دن میں کون ٹھہر سکے گا' اور جب وہ نمودار ہو گا کون کھڑا رہے گا۔'' (ملاکی نبی کی کتاب باب ۳)

---

۱۸ (سلع ہی کے پاس اب تک خندق کے نشانات موجود ہیں اور یہ پہاڑ اسی نام سے اب تک مشہور ہے ۱۲)

۱۹ (قرآن کی آیت وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيّٖنَ الخ میں صاف اعلان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کے متعلق تمام پیغمبروں سے عہد لیا گیا اور اس عہد کا گواہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے آپ کو بنا لیا ۱۲)

جس [۲۰] ہیکل میں وہ ناگہاں آیا' سب جانتے ہیں کہ کسی زمانہ میں اس کے مٹانے پر ایکا کر کے جو عہد نامہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا' اس میں بھی یہی پیش [۲۱] آیا تھا جو ان عہد کرنے والوں کی کتابوں کے پیش آیا' اور کون ہے جو اس کے آگے کھڑا رہتا۔

"وہ سنار کی آگ دھوبی کے صابون کی طرح ہے۔" (ملا کی نبی باب ۳)

جو جلنے کے لیے تھا' وہ جل گیا۔ وہ جو ڈھلنے کے لیے تھا' وہ ڈھل گیا اور جو چمکنے اور صاف ہونے کے لیے تھا' وہ چمکا اور ستھرا ہوا اور باوجود چھپانے کے اب تک چمک رہا ہے۔

خیر بات بہت دور جائے گی اگر اس ضمنی بحث کی تفصیل میں اور آگے بڑھا گیا۔ میرے سامنے تو اس وقت صرف یہ تھا کہ جتنے آنے والے آئے' سب جانے کے لیے آئے اور بینات کی واضح شہادت کی روشنی میں دیکھا جا چکا ہے کہ جو بھی آیا' بالآخر ایک ایک کر کے کسی نہ کسی طرح خود وہ' ان کی زندگی' ان کی تعلیم' جہاں سی طلوع ہوئی تھی وہیں بالآخر غروب ہو گئی اور بلاشبہ ان کے لیے یہی مقدر تھا' قدرت کے باندھے قانونوں کو دنیا کا کون سا زور کھول سکتا ہے۔ پر اب دیکھو کہ وہ آتا ہے' جو آنے ہی کے لیے آیا کس شان کے ساتھ آیا' کس آن کے ساتھ آیا' مصریوں کی غلامی میں صدیاں بسر کرنے والوں میں نہیں' بلکہ جب سے دنیا ہے' آدم کے جن گھرانوں کو محکومیت کی لعنت نے کبھی نہیں چھوا۔ جن کے دماغ میں آزادی کی ہوا کے سوا کبھی کسی قسم کی غلامی کی گندگی نہیں پہنچی اور جیسا ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا تھا کہ

"وہ عربی ہو گا' اس کا ہاتھ سب کے خلاف اور سب کا ہاتھ اس کے خلاف ہو گا۔"

(پیدائش باب ۱۶۔۲۳)

اور اسی لیے وہ اپنی آزادی کو ہر چیز سے مہنگی خیال کرتے ہوئے "وہ اپنے سب بھائیوں کے درمیان بودوباش کرے گا۔" (باب مذکور)

بلاشبہ آدم کی ساری اولاد کے درمیان شائد یہی ایک نسل تھی' جس نے اپنے ہاتھ کو سب کے خلاف اور سب کے ہاتھ کو اپنے خلاف رکھ کر ہمیشہ ایسی زندگی بسر کی جو دنیا کے کسی خطہ

۲۰؎ (آنحضرتؐ فتح مکہ کے موقع پر اس طرح اچانک مکہ پہنچے ہیں کہ صحابہ کی دس ہزار فوج جب مکہ کے سواد میں پہنچی اور رات کو کھانا پکانے کے لیے چولہے روشن کیے گئے تب ابوسفیان اور مکہ والوں کو علم ہوا کہ آپ آ گئے ۱۲)

۲۱؎ قریش نے ایکا کر کے رسول اللہؐ پر کھانا پانی بند کیا تھا' اس پر جو باہمی معاہدہ ہوا تھا کعبہ میں لٹکایا گیا لیکن دیمک تمام ظالمانہ باتوں کو چاٹ گئی ۱۲)

کے باشندوں کو میسر نہ ہوئی ہو وہ ان ہی آزادوں میں اٹھا اور محسوس قوتوں میں جن چیزوں کا نام قوت رکھا گیا ہے۔ ایک ایک کے پنجے سے انسانیت کو آزادی دلانے کے دعوے کے ساتھ اٹھا۔ دنیا والے ساری دنیا والے بلکہ حد تو یہ تھی کہ اس آزاد دنیا والے بھی انسانوں کے آگے تو نہیں لیکن سچے قوت سے ٹوٹ کر جھوٹی اور وہمی قوتوں کے وہمی بوجھ کے نیچے شائد تین[۲۲] ساڑھے تین سو سال سے دبے ہوئے تھے اور کتنے ہیں جواب تک دبے ہوئے ہیں وہ ان تمام کاذب قوتوں کو جھٹلاتا ہوا اٹھا۔

والدین کی وفات:

پھر دیکھو! جس کا باپ مر جاتا ہے تو جھوٹی قوتوں کے ماننے والے گھبرا گھبرا کر چلاتے ہیں واویلا مچاتے ہیں کہ اس بچے کو کون پالے گا؟ بے زوری کو زور کہنے والوں کا زور توڑنے کے لیے خود اس کے ساتھ یہ دیکھا گیا کہ پیدا ہونے کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے کہ وہ آئے اس میدان میں آئے جہاں جھوٹی قوتوں سے آزادی کا پرچم کھولا جائے گا وہ دھوکے کی اس قوت سے آزاد ہو گیا جس کا نام دنیا نے باپ رکھا ہے اور ٹھیک جس طرح ظہور سے پہلے اس کی ہستی نے اس آزادی کی شہادت ادا کی نمود کے ساتھ ہی چند ہی دنوں کے بعد اس غلط بھروسے کا تکیہ بھی اس کے سر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا جس کو ہم سب ماں کہتے ہیں۔

عبدالمطلب کی کفالت اور ان کی وفات:

جو اپنی جوانی کی قوتوں کو کھو کر بڑھاپے کی ہلی ہوئی دیوار کے سہارے زندگی کی نمائش ختم کر رہا تھا اس پیرانہ سری کے ساتھ آپ کے جد امجد نے چاہا تھا کہ بچی آزادی کی واشگاف ہونے والی حقیقت میں کچھ اپنی شرکت سے اشتباہ ڈال دیں لیکن جو اپنے دعویٰ کی خود دلیل تھا۔ اس کی دلیل کمزور ہو جاتی اگر عین وقت پر عبدالمطلب کی سرپرستی کے فریب کا پردہ چاک نہ کر دیا جاتا آخر وہ بھی چاک کر دیا گیا۔

---

۲۲ (سرزمین عرب جس کے مختلف حصوں میں حضرت اسماعیل کی اولاد اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل پھیلی ہوئی تھی اندازہ کیا گیا کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے کل تین ساڑھے تین سو سال پہلے سے بت پرستی میں اس ملک کے لوگ مبتلا ہو گئے تھے ورنہ اس سے پیشتر عموماً ابراہیمی دین عربی قبائل میں پھیلا ہوا تھا دیکھو "الفوز الکبیر" شاہ ولی اللہ دہلوی) ۱۲۔

ابوطالب کی کفالت:

حقیقت جتنے بین اور شاندار چہرے کے ساتھ اب اس بے مادر پدر اور لاوارث یتیم کی پیشانی سے چمک رہی تھی' وہ نہ چمکتی' اگر کہیں بجائے بے مایہ و بے بضاعت عم محترم حضرت ابوطالب کے خدانخواستہ آپ کی نگرانی مکہ کے ساہوکار عبدالعزیٰ المشہور بہ ابی لہب کے سپرد ہوتی لیکن شیر کے بچے لومڑی کے بھٹوں میں نہیں پالے جاتے۔ جس قطرہ کی قسمت مین موتی ہونا ہے' وہ گھونگھوں اور مینڈکوں کے منہ میں نہیں گرتا۔

غریب ابوطالب کی کفالت سے اس کے برہانی وجود میں کیا ضعف پیدا ہوتا' جس کے متعلق شائد بہتوں کو علم نہیں ہے کہ مدتوں ان کی یعنی ابوطالب کی گزران ان [۲۳] قراریط پر ہی تھی جو بکریوں اور اونٹوں کے چرانے کے صلہ میں ان کا یتیم بھتیجا مکہ والوں سے مزدوری میں پاتا تھا' کیسی عجیب بات ہے جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی اپنے سر پر نہیں اٹھا سکتے تھے اور اسی لیے مجبوراً [۲۴] جعفر' عباس کی' اور علی رضی اللہ عنہم' اس کی گود میں ڈال دیئے گئے۔ جن کی گود میں وہ پلنے کے لیے پیدا ہوئے تھے' تو پھر یہ کیسا بے بنیاد وہم ہے کہ جس کو خود قدرت کا ہاتھ براہ راست پال رہا تھا' اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی' اگر سمجھا جائے تو شائد عمر کا ایک پیشتر حصہ اسی کے بل بوتے پر گزرا' جوان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے۔

دائی حلیمہ سعدیہ:

فہموں کی قلابازیاں اس مسئلہ میں بھی تقریباً اسی قسم کی ہیں جو حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سمجھ کے پھیر سے بلاوجہ پیدا ہوئیں۔

آپ کو حلیمہ سعدیہ سے دودھ ملا' حلیمہ یا حلیمہؓ کی اونٹنی' حلیمہؓ کی بکریوں' حلیمہؓ کے شوہر' حلیمہ کے بچوں' بلکہ آخر میں قبیلہ والوں تک کو' ان سب کو دودھ آپ ہی کے ذریعہ سے ملا؟ اس میں واقعہ کیا ہے اس کو سب جانتے ہیں' لیکن نہیں جانتے یا نہیں جاننا چاہتے۔

---

۲۳ (خاص وزن کے معمولی سکوں کو کہتے ہیں)

۲۴ (حضرت ابوطالبؓ نے معاشی مشکلات سے تنگ آ کر بالاخر اپنے ایک بیٹے جعفر طیارؓ کو اپنے بھائی عباس کے حوالہ پرورش کے لیے کر دیا تھا' اسی طرح دوسرے بیٹے حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت کے سپرد کر دیئے گئے تھے' ماسوا اس کے تقریباً سیرت و تاریخ کی عام کتابوں میں حضرت ابوطالب کی جو معاشی تنگ حالی کی داستان موجود تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو آٹھ نو سال کا ان کا یتیم بھتیجا بکریوں کے چرانے میں کیوں مجبور ہوتا ۱۲)

ملک عرب:

کہتے ہیں کہ اپنی ماتا سے آدمی آزاد ہوسکتا ہے' لیکن دھرتی ماتا کی غلامی کس کی گردن میں نہیں کہ آدمی کے بچوں کو جو کچھ ملتا ہے زمین کی چھاتی سے ملتا ہے' وہ جو کچھ کھاتا ہے جو کچھ پیتا ہے' جو کچھ پہنتا ہے' جس میں رہتا ہے' حتیٰ کہ جس میں بالآخر دفن ہوتا ہے' زمین اور زمین زادو کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ اس جھوٹ میں سچ کا کتنا حصہ ہے۔ اس کے لیے دیکھو کہ اس واقعی آزادی کی راہ درست کرنے کے لیے وہ اس سرزمین سے اٹھایا جاتا ہے جو ایسی ہر چیز کے پیدا کرنے میں عقیم اور بانجھ ہے' جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ آدمی ان ہی پر جی رہا ہے۔ جن چیزوں سے زندگی پیدا ہوتی ہے۔ عجیب بات ہے کہ ان کی پیدائش کا اس زمین میں امکان نہیں اور جن سے موت کی پیداوار ہوتی ہے شاید دنیا کا یہ علاقہ اسی کا جہان ہے' اسی کا مکان ہے جھلسانے والی لو' تپتی ہوئی ریگ' جلے ہوئے گرم پہاڑ' یہ اور اسی قسم کی چیزوں پر اس غیر ذی زرع وادی کی بنیاد ہے اور ان ہی تباہیوں سے یہ بن کھیتی کا بیابان آباد ہے۔

جو باطل پروردگاروں کی بندگی سے مسجود ملائکہ کی ذریت کو رستگاری بخشنے آیا تھا' اس کے دعویٰ کا تجربی ثبوت اس شکل میں کس درجہ بے نقاب ہو کر سامنے آیا۔ جب وہ اسی سرزمین سے سر اٹھا کر دنیا کو دعوت دیتا ہے۔ کیا اس کے دعویٰ میں زور اس سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کی گلریز کیاریوں' سوئٹزرلینڈ کی نزہت انگیز وادیوں' شام کے فواکہ خیز باغوں سے عالم کو پکارتا کہ

جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے
جو ہے اپنا نظر نہیں آتا

(حضرت امجد)

ان ملکوں میں جو کچھ نظر آتا ہے ان سرابی مغالطوں کے چکروں میں گھوم کر کتنے پیاسے پیاس ہی کی حالت میں یہ بڑبڑاتے ہوئے ہمیشہ کے لیے تہ نشین ہو گئے کہ جو ان کی ایک اپنی آنکھوں میں نہیں ہے' وہ واقع بھی نہیں ہے حالانکہ اگر محسوسات کی نظر فریبیوں کے پھندوں سے ان کی عقل کی گردنیں آزاد ہوتیں تو وہ اسے اپنی آنکھوں میں بھی اسی طرح پاتے' جس طرح وہ ان کے باہر پایا جاتا ہے' بہرحال جس دیش میں کچھ نہیں تھا۔ جب اس نے خود اپنی

ذات سے اس کی گواہی ادا کی کہ وہاں بھی وہ سب کچھ مل جاتا ہے' جو ان دسیوں میں کسی کو نہیں ملا اور نہ کبھی مل سکتا ہے۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں کیا کچھ نہیں ہے؟ کیا اس عینی شہادت کے بعد بھی کوئی کسی دیس کے بندھو یا کسی وطن کے عبد ہونے کا دھوکا کھا سکتا ہے۔

قریش اور قریش کی حالت:

اور جس طرح اس نے خاک اور دھول کے بوجھ سے انسانیت کے سر کو ہلکا کیا' کیا دعویٰ پیش کرنے سے پہلے قدرت نے خود اس کو اس کے مبارک وجود کو' اس کی دلیل نہیں بنایا کہ قوم اور نیشن کے دیوتاؤں کے آگے بھجن گانے والے اس کے قدموں پر اس لیے اپنی اور اپنے بچوں کی خون کی' یہ سمجھ کر بھینٹ چڑھانے والے کہ قوم کے وجود میں افراد کی ضمانت مستور ہے' یہ لوگ قومی اور انفرادی بقاء ہی نہیں بلکہ سرے سے بقاء ہی کے راز سے جاہل ہیں۔

دیکھو! جس طرح وہ ایسے ملک میں پیدا ہوا تھا جس میں کچھ نہیں تھا' اسی طرح یہ قدرت ہی کی طرف کی بات تھی کہ جس قوم میں وہ پیدا ہوا' اس کے پاس بھی کچھ نہیں تھا' وہ اس کا دماغ' اس کا دل' اس کی طبیعت' اپنی قوم سے کیا لیتی جب کہ خود ان ہی کے پاس کچھ نہ تھا' اور اگر کچھ تھا بھی تو جو باہر کا حال تھا وہی ان کے اندر کی بھی کیفیت تھی' بلکہ شاید ان کے دل ان کے پہاڑوں سے زیادہ سخت' ان کے دماغ ان کے میدانوں سے زیادہ چٹیل تھے۔ ان میں ان کی صحبتوں میں رہنے والوں کے اندر سنوار سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا تھا۔ ابھرنے سے زیادہ ان میں پلنے والے ٹھٹھرتے تھے۔

تاہم وہ آدمی ہی تھے اور مکہ باد یہ نہیں ایک شہر تھا' مانا کہ اس میں مدرسہ نہ تھا' کالج نہ تھا' یونیورسٹی نہ تھی' سوسائٹی نہ تھی' کلب نہ تھا۔ لان نہ تھا' صنعتی کارخانے نہ تھے' علمی معہد' کوئی باضابطہ سیاسی ادارہ نہ تھا' لیکن پھر بھی وہ شہر تھا اس میں شہریت کے کچھ لوازم تھے۔ ایک معبد تھا' جس کی زیارت کے لیے اطراف واکناف کے مسافر وہاں آتے تھے' شمالی وجنوبی کاروانی راستوں کی شاہرہ پر وہ واقع تھا۔

ایام طفولیت اور شغل گلہ بانی:

شک کی اس ٹٹی کو بھی توڑنے کے لیے غالباً یہ غیبی سامان تھا کہ جب تک ان سے جدا آپ کچھ لے سکتے تھے' اس عمر تک خانگی حالات کی مجبوریوں نے شہر اور شہریت سے جدا کر

کے آپ کو جنگل پہنچا دیا' بجائے آدمیوں کے چراگاہ کے چرندے آپ کے ساتھی ٹھہرائے گئے' مشغلہ تجارت میں مشغول ہونے سے پہلے تقریباً بائیس تیئس سال کی عمر تک آپ کے اوقات کا یہی نظام تھا کہ صبح ہوئی گھر گھر سے بکریوں کے مندوں' اونٹوں کے گلوں کو ساتھ لیے بہت دور صحرا میں چلے جاتے' شام ہوئی سب کے گھروں کے مویشی پہنچا دیے گئے' گھر پہنچے جو کچھ دیا گیا کھا لیا اور تھکے ہوئے گلہ بانوں کی طرح بنی نوع انسان کا یہ سب سے بڑا گلہ بان سو جاتا تھا' شہر میں کیا ہوتا ہے' کون ہوتا ہے' کون جاتا ہے' شاید ہی اس کی خبر بھی ملتی ہو۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ گلہ بانی کی اس پوری زندگی میں صرف ایک دفعہ جیسا کہ عمر کا تقاضا ہے کسی بارات کے تماشا دیکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ شاید اس شوق میں چراگاہ سے سویرے واپس آ گئے' شام ہوئی' ضروریات سے فارغ ہو کر صاحب تقریب کے مکان پر پہنچے برات کی دھوم دھام ابھی شروع بھی نہیں ہوئی کہ چراگاہ تک تگ ودو کی ماند نے تھپکیاں دے کر سلایا۔ آنکھ کھلی تو تماشے ختم ہو چکے تھے اور مشرق کا رقاص افق عالم پر ناچتا ہوا اپنا تماشا پیش کر رہا تھا' دھوپ نکل چکی تھی۔

یہ حال تو اس وقت کا ہے' جب اپنی قوم سے آپ کچھ لے سکتے تھے' لیکن جب قدرت نے اس کو' جس کے دماغ نے جس کے قلب نے' جس کی عقل نے' جس کی طبیعت نے' محسوس قوتوں میں سے' کسی سے قطعاً کچھ نہیں لیا تھا' اسی کو ساری دنیا میں ان سب چیزوں کو بانٹنے پر مامور کیا' جو آج تک کسی کو کسی سے نہ ملا تھا اور نہ آئندہ مل سکتا ہے جیسا کہ مسیح علیہ السلام نے کہا تھا۔

"میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں پر تم برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ فارقلیط (احمد) آئے گا تو سچائی کی ساری راہیں بتا دے گا" (یوحنا باب ۱۶۔۱۳)

ظاہر ہے کہ فرض کے اس منصب پر قیام کے بعد اس کی قوم کا اس کے ساتھ جو سلوک شروع ہوا۔ ایسی صورت میں ان سے اس کو کیا مل سکتا تھا۔ جب وہ اس کی ہر چیز بلکہ جان تک چھیننے کے لیے ہر وقت آمادہ رہتے تھے' پھر جس کو اپنی قوم سے کچھ نہیں ملا' نہ علم' نہ عمل ملا کہ اس سے تو وہ خود کورے تھے' لیکن اپنی آزادی کی حفاظت کے لیے ان میں سے جو قومی حمیت اور خاندانی غیرت کا جاہلانہ جوش تھا' دیکھو تو وہ اس سے بھی محروم کیا گیا' لیکن کیا اس

نے علیٰ رؤس الاشہاد خود اپنی ہستی کی شہادت سے یہ ثابت کر کے نہیں دکھایا کہ نہ اس کو ملتا ہے جسے قوم چاہے اور نہ اسی کو ملتا ہے جو قوم سے چاہے' بلکہ جس کا سب کچھ چاہا ہوا ہے' جس کسی کو بھی جو ملتا ہے اسی کے چاہنے سے ملتا ہے کون شک کر سکتا ہے کہ اس دعویٰ کی سب سے بڑی دلیل وہ خود تھا' اس کی زندگی تھی۔

حجر اسود کا جھگڑا:

مگر بایں ہمہ قوم سے اس وقت تک جدا رہتا تھا۔ جب تک ان کے احسان کا موقع ہوتا' لیکن اسی کے ساتھ یہ عجیب بات ہے جوں ہی قوم پر احسان کرنے کی کوئی گھڑی آئی۔ لوگوں نے اس کو اس کی قوم میں ملا ہوا اور کھڑا ہوا پایا' حجر اسود کا فتنہ قریب تھا کہ قریش اپنے امن وعافیت کے آبگینہ کو چکنا چور کریں' لیکن دیکھو! بیابان میں انسانوں سے جدا ہو کر چوپایوں کے ساتھ رہنے والا آتا ہے اور جو درندوں کے مانند' ٹھیک درندوں کے مانند ایک دوسرے کی بوٹیاں نوچنے والے تھے۔ ان پھٹنے والوں کو کتنی آسانی سے جوڑ دیتا ہے' آڑے وقت کے یہی تجربات تھے' جس نے باوجود الگ تھلگ رہنے کے اس قوم جیسے سنگین دلوں پر اس کے امین وصادق ہونے کا نقش کندہ کر دیا تھا تاکہ کہنے والے کی وہ بات پوری ہو جو صدیوں پہلے کہی گئی تھی۔

''وہ امین صادق کہلاتا ہے اور اس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اس کے ماسوا کوئی نہیں جانتا'' (مکاشفہ یوحنا باب ۱۹۔۱۱)

یوں ہی وہ اپنی زندگی کی مختلف منزلوں میں پدری قوت' مادری قوت' خاندانی قوت' وطنی قوت' قومی قوت' ہر ایک کو بڑے زور سے توڑتا' پھوڑتا' جھٹلاتا ہوا مسلسل چلا آیا۔

مگر اب جو دعویٰ سے پہلے اس کی دلیلوں کی تعمیر میں ردوں پر ردے جماتا چلا آ رہا تھا لیکن ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں سب کو حیرت تھی کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

نکاح:

تم دیکھ چکے ہو کہ اتنی عمر میں دنیا کے نوجوان کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں' اس نے کچھ حاصل نہیں کیا تھا' اور جس کو انسان سے زیادہ حیوانوں میں رہنا پڑا' محسوس ومرئی قوتوں کے اسیروں کی نگاہیں آخر اس میں کیا پا سکتی تھیں' جس کی وہ قیمت لگاتے!

یہ سچ ہے کہ اس کا خاندان عالی اور بلا مبالغہ اتنا عالی تھا۔ ایسی بزرگی وشرافت بنی آدم کے کسی گھرانے کو میسر نہ آئی' اس وقت ہی نہیں بلکہ اس وقت بھی زمین کی آبادی کا تقریباً دو ثلث حصہ اسی دودمان عالی کے نفوس قدسیہ کی حلقہ بگوشی پر ناز کر رہا ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ کون نہیں جانتا کہ دنیا کے سارے یہودی ونصرانی اپنی ساری بزرگیوں اور شرافتوں کو اسی بے جدا کبر ابراہیم علیہ السلام پر ختم کرتے ہیں' پھر ابراہیمؑ کے بچوں میں بھی جو بچہ کسی معمولی عراقی عورت کے بطن سے نہیں بلکہ شہنشاہ مصر کی صاحبزادی سے پیدا ہوا تھا اور جو ابراہیم وہاجرہ دونوں کے دکھ کی آواز کا لاہوتی جواب تھا۔ جس کا نام بنی اسماعیل (اللہ کا سنا ہوا) تھا' وہی جس کو کعبہ کے رب نے قبول کیا اور جس کی بنیاد ابراہیم کو دنیا کی امامت کا منصب جلیل عطا ہوا ہے اور اس آنے والے کا دادا تھا جو دنیا میں بڑی شان سے آ رہا تھا۔

خاندان کی اس عالمگیر برتری کے سوا' خود عرب کے جزیرہ نما میں قریش والوں سے نسباً اونچا تھا اور قریشیوں میں بھی قصیٰ وہاشم کے گھرانے کو سب کے سامنے اپنی بے نظیر خدمات کے صلہ میں عزت وکرامت کا جو مقام حاصل ہوا تھا۔ عرب میں کون تھا جو اس کی برابری کر سکتا تھا کندھا ملانے کی کوششیں ضرور جاری تھیں' لیکن ان کے دوش کی بلندیوں تک اس وقت تک کسی کا دوش پہنچا تھا؟

یہ سب کچھ تھا لیکن نقد پرستوں کے جس گروہ سے اس وقت سابقہ تھا' ان کی کوتاہ نگاہوں اور تنگ ظرفوں کے آگے ماضی کی اس ادھار عظمت کی کیا قیمت تھی' جس بچے کا باپ بھی نہیں ہے' ماں بھی نہیں ہے' دادا بھی نہیں' سرپرستوں میں الجھا اگر کسی ایک آدھ چچا کا نام لیا جاتا وہ بھی اپنی معاشی بدحالیوں میں الجھا ہوا ہے۔ ڈگریوں کا تو خیر وہ زمانہ نہ تھا' لیکن سرمایہ اور صلاحیتوں کا سوال تو ہر زمانہ میں رہا ہے اس وقت بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ جس نے اپنی پوری زندگی بیابانوں میں بکریوں کی رکھوالی اور اونٹوں کی شبانی میں صرف چند قراریط پر گزاری تھی۔ اس کی طرف یہ نگاہیں کس طرح اٹھتی' جن میں مادیات ومحسوسات کے سوا کسی اور چیز کی گنجائش نہ تھی وہی جو کسی کو نادیدہ حسن ظن یا گمان پر ''دیدہ'' کے یقین کو کسی طرح قربان کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ انہوں نے اگر اس میں ''صداقت وامانت'' کی کرنیں پائی بھی تھیں تو کیا وہ اس میں ''صداقت'' اور اس ''امانت'' پر دولت وثروت کی خواہش کو ذبح کرنے کی سکت رکھتے تھے۔

جاہل، غریب بت پرستوں سے کیا امید کی جا سکتی ہے، جب خدا پرستی، صداقت شعاری کے تعلیم یافتہ مدعیوں کو بھی ہم اپنے سامنے اس حال میں پا رہے ہیں جس میں شاید عرب کے یہ اجڈ گنوار بھی غالباً مبتلا نہ تھے۔

مگر وہی عرب جس کی دلیل ہمیشہ دعویٰ کے آگے آگے چلی آ رہی تھی، یہاں بھی اچانک وہی دلیل ایک عجیب شان میں دفعتہً چہرہ پرداز ہوئی۔

غریب حجاز کا سب سے بڑا امیر شہر مکہ تھا اور مکہ کے تمام امیروں کے پاس مجموعی طور پر جو کچھ تھا، انفرادی طور پر اسی قدر دولت کی مالکہ اس شہر کی وہ بزرگ بی بی تھیں، جن کا اسم گرامی [۲۵] طاہرہ اور خدیجہؓ الکبریٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) تھا، گویا اس حساب سے صرف مکہ کی نہیں بلکہ سارے حجاز کی سب سے بڑی دولت مند خاتون آپ تھیں، قدرت کی یہ عجیب کارفرمائی تھی کہ چند پیسوں کے لیے جس کو دن بھر ببولوں کے کانٹوں اور اذخر کے گھانسوں کی تلاش میں جنگل جنگل پھرنا پڑتا تھا، اسی کو خدیجہؓ اور خدیجہؓ کے پاس جو کچھ تھا، سب دلا کر جسے لوگوں نے سب سے نیچا خیال کیا تھا سبھوں سے اونچا کر دیا، تاکہ پھر ثابت ہو کہ امیری کے چاہنے والے اور اس کے لیے زمین کے قلابے آسمانوں سے ملانے والے امیر نہیں بنتے بلکہ امیر وہی ہوتا ہے، جس کے ہاتھ لوگوں کی امیری بھی ہے، اور غریبی بھی، جس دعویٰ کو وہ لے کر حرا سے بعد کو آیا، دیکھتے جاؤ کہ کن پیکروں میں اس کی دلیلیں کہاں کہاں سے ابل ابل کر جریدہ عالم پر ثبت ہو رہی ہیں!

ایسا دعویٰ کس نے سنا اور ایسی دلیل کس نے دیکھی، دعویٰ سنایا گیا اور دلیل دکھائی گئی۔ عالم استدلال و برہان کی قطعاً یہ انوکھی چیز ہے (صلوۃ اللہ علیہ وسلامہ) اور دیکھو کہ اسی کے ساتھ ایک روشنی ہے، جس میں پڑھنے والے چاہیں تو پڑھ سکتے ہیں کہ آئندہ جو جنبش ہوئی وہ اس سے نہیں ہوئی کہ افلاس نے کسی کو مضطرب کیا ہے۔ ناداری سے کوئی تڑپا ہے۔

خلوت پسندی:

بہرحال امیری جب آتی ہے تو اپنی شانوں کے ساتھ آتی ہے۔ ٹھاٹھ کے ساتھ آتی ہے، باٹھ کے ساتھ آتی ہے، لیکن جس کو قصر میں براجنے کا موقع دیا گیا، تلاش کرو! وہ ویرانوں میں

۲۵ (دیکھو سیرت شبلی مرحوم ذکر خدیجہ الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۱۴۳)

ملے گا' مکہ کے رئیس اپنی کوٹھیوں میں ہیں اور طائف کے امراء پھلوں اور پھولوں سے لدے باغوں اور ان کے بنگلوں میں ہیں' لیکن جو سب سے بڑی امارت کا مختار کل اور متصرف مجاز ہے' وہ پہاڑوں کے اندھیرے غاروں میں ہے' پھر جو سرمایہ اس کو ملا کیا وہ مہاجنی کے بازاروں میں ہے؟ رشتوں کو جوڑا گیا' مہمانوں کو کھلایا گیا' بیکاروں کو کموایا گیا' بار والوں کا بوجھ ہلکا کیا گیا۔ نادانوں کو سکھایا گیا' بپت کی گھڑیوں میں لٹایا گیا۔ یہ حضرت خدیجہ ہی کی رپورٹ ہے' جس میں ان کی دولت کام آئی۔ [۲۶]

پھر جوان میں چھوٹا تھا وہ بڑا ہو چکا تھا' مال میں بڑا ہو چکا تھا' جاہ میں بڑا ہو چکا تھا' اور اپنے ہم چشموں' ہم عصروں' ہم زادوں سب میں سب سے بڑا ہو چکا تھا' آخر اس سے زیادہ بڑائی کس کو حاصل تھی۔ کالے پتھر کے لیے سرخ خون کی جوندی بہنے والی تھی جس کے اکیلے ہاتھ نے اس طوفان کا رخ پلٹ دیا تھا جس کے گھر کا مہمان ہمیشہ اکرام کے ساتھ واپس ہوا۔ جس کے دامن دولت کے نیچے یتیموں کو پناہ ملی' جو بیروزگاروں کو روزگار دلانے کا روزگار کرتا تھا' جو بے ہنروں کو ہنر سکھاتا تھا' بھاری بوجھ والوں کا بار اٹھاتا تھا۔ وہ آڑے وقتوں میں آڑ بنتا تھا۔ جو کچھ قدرت نے اس تک پہنچایا تھا وہ اس کو ان ہی راہوں میں بہاتا رہا۔

جس نے نیکی کی اتنی پیچ در پیچ شاخوں میں اپنا سارا سرمایہ ساری توانائی لگا دی تھی' اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعد شہرت وعظمت' جاہ وجلال کی جو بلندیاں اسے میسر آئیں' ایسی برتری ان میں کس کو نصیب ہوئی تھی' مال وثروت کی دیویوں یا مندروں میں ''صدق'' و ''امانت'' جیسی صفات کی' مانا کہ پرستش نہ ہوتی ہو' لیکن کیا جاہ کے اکھاڑوں میں کردار کی ان قوتوں سے بازی نہیں جیتی جاتی؟ اور بلاشبہ وہ صرف اپنے شہر میں نہیں بلکہ اس شہر میں جہاں جہان بھر کے لوگ آتے تھے اور کون بتا سکتا ہے کہ کہاں کہاں کے لوگ آتے تھے' زیارت کے لیے بھی آتے تھے اور تجارت کے لیے بھی آتے جاتے تھے' ان سب علاقوں میں' خطوں میں' بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ملکوں میں بھی' ان ہی راہوں سے ان کا نام اونچا ہو چکا تھا' جاہ کے لیے اس وقت جو کچھ سوچا جا سکتا تھا۔ یقیناً وہ سب اس کو حاصل ہو چکا تھا اور مالی بڑائی میں جس کنگرہ پر اس کی برتری کا پھریرہ اڑ رہا تھا اس کا تماشا تم کر چکے ہو۔

---

[۲۶] (بخاری وغیرہ کتب صحیحہ ۱۲)

پس جو چیز اسے محلوں میں مل چکی تھی۔ کتنی بڑی بے ایمانی اور کیسی گندی اور سیاہ کور باطنی بے بنیاد بداندیشی ہو گی کہ اسی کا بہتان اس پر لگایا جائے۔ جب وہ ہفتوں' عشروں' غاروں میں دن ہی نہیں بلکہ ڈراؤنی اور بھیانک راتیں گزارتا تھا۔ سانپوں اور بچھوؤں' درندوں اور موذیوں سے بھرے ہوئے پہاڑوں اور ناپوں میں اس کو ان ہی چیزوں کے لیے جانے کی کیا ضرورت تھی جو مخملی [1] طنفسوں' ریشمی قالینوں' عبقری گدوں' مرزکش چھپر کھٹوں پر بے فکر و تردد اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی یوں بھی مل سکتی تھی' اور وہ تو ملی ہوئی تھی' لیکن اس نے بجائے ایرانی' زرابی' رومی' نمارق کے زمین اور کھلی زمین کے پتھریلے فرش کو اپنا بچھونا اور خارا پتھروں کو اپنا تکیہ بنایا۔

بی بی کی عصمت کا پتہ بے چارگی میں نہیں چلتا' چارہ ہو اور عصمت ہو' عصمت اسی کا نام ہے' خاک کے فرش کے سوا جس کے پاس کوئی فرش نہیں۔ وہ اگر خاک پر سویا تو کیا خاک سویا۔ جو تخت پر سو سکتا ہے' وہ مٹی پر سویا' اسی کا سونا ایسا خالص سونا ہے جس میں کھوٹ نہیں ہے اور یہ تو اس امتحان گاہ کی جس میں اب وہ اتارا جاتا ہے پہلی منزل ہے' جانچنے والے جانچ لیں' پرکھنے والے پرکھ لیں اور جس طرح سے جن جن امکانی شکلوں سے چاہیں جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر لانے کی کوشش کریں۔

اپنے معیاروں کو لے کر آؤ؟ اپنی اپنی کسوٹیوں کو لے کر دوڑو! کسو! کس کر دیکھو! کہ جس کو قدرت کے ہاتھوں سے خالص اور آلائشوں سے قطعاً پاک بالکل صاف پیدا کیا ہے۔ صداقت و راستی' امانت و اخلاص کے سوا اس میں کوئی اور چیز بھی ہے' خوب کف گیریں مار مار کر دیکھو! کیا اس دیگ کا کوئی چاول کچا ہے' روشنی کی جو کرنیں اس کے اندر سے پھوٹ پھوٹ کر دنیا کو جگمگا رہی ہیں گھورو! آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورو' خوردبینوں کو آنکھوں پر چڑھا چڑھا کر گھورو! تاریکی کا اس میں کوئی ریشہ ہے؟

نبی مان لینے کے بعد کسی کی ہمت تھی کہ اس قدوسی سرشت کے امتحان کا اندیشہ بھی کرتا' یہی مصلحت تھی کہ ایک مہینہ نہیں' دو مہینے نہیں سال دو سال بھی نہیں بلکہ تم میں کون نہیں جانتا

---

[1] طنفس' عبقری یہ عربی زبان کے عالم الفاظ ہیں' جو جاہلیت میں مروج تھے' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی چیزیں جاہلی تمدن میں پائی جاتی تھیں' طنفسہ زرابی مختلف اقسام کی بچھانے کی چادریں' نمارق تکیے' قرآن میں بھی ان الفاظ کا ذکر آیا ہے۔

ہے؟ کہ مکی زندگی کے پورے تیرہ سال اس حال میں اس کو گزارنے پڑے کہ گویا اس کو کوئی نہیں جانے گا۔ گویا اس کو کوئی نہیں مانے گا حالانکہ پھر اسی کو نہیں بلکہ اس کے ان کفش برداروں نے تقریباً اسی بارہ سال کی مدت میں صرف جزیرۃ العرب ہی نہیں بلکہ مشرق ومغرب' ایشیاء وافریقہ کے لاکھوں میل کے رقبوں کو ایسے کروڑہا کروڑ انسانوں سے بھر دیا کہ گویا ان میں کوئی انکار کرنے والا تھا ہی نہیں' فاروقؓ ہی کے پندرہ سالہ عہد حکومت تک پہنچتے پہنچتے ایسا ہو گیا جیسا کہ حبقوق نبی نے صدیوں پہلے کہا تھا۔

''آسمان اس کی شوکت سے چھپ گیا' اور زمین احمدؐ کی حمد سے بھر گئی' وہ کھڑا ہوا' اس نے زمین کو لرزا دیا' اس نے نگاہ کی' اور قوموں کو پراگندہ کر دیا' قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ پرانی پہاڑیاں اس کے آگے ریزہ ریزہ ہو گئیں زمین [28] مدیان کے پردے کانپ جاتے تھے۔''

ابتداء وحی:

اب دیکھو! خلوت کی اسی زندگی میں وہ ایک بڑے دعویٰ کو لے کر آتا ہے ٹھیک اسی طرح آتا ہے جیسا کہ سلیمان نبی نے کہا تھا۔

''وہ میرے محبوب کی آواز دیکھ! وہ پہاڑوں پر سے کودتے' ٹیلوں پر سے پھاندتے آتا ہے۔'' (غزل الغزلات باب ۱)

اور پہاڑ سے اتر کر' دنیا کے آگے' اس نے حیرت سے بھرے ہوئے اس تجربہ کا اعلان کیا کہ جیسے یسعیاہ نبی نے کہا تھا۔

''ان پڑھ کو کتاب دی گئی کہ اسے پڑھ اور وہ کہتا ہے کہ میں ان پڑھ ہوں' پڑھ نہیں سکتا۔'' (یسعیاہ باب ۲۰)

سمجھنے والوں نے سمجھایا نہیں سمجھا مجھے اس سے کیا بحث' لیکن بخاری میں ہے حراء کی کھوہ میں اس کے سامنے سب سے پہلے [29] فجاء الحق کا نظارہ اسی طرح بے نقاب ہوا۔ جس طرح پہاڑی کے ہرے بھرے جھاڑ کی شاداب آ گے ہے۔

---

[28] (ریان اور مدیانی بائبل کی زبان میں مکہ والوں کو کہتے ہیں! دیکھو! القول الصحیح العلامۃ الاستاذ الفراہی ۱۲)

[29] بخاری میں ابتداء وحی کی جو حدیث ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ غار حرا میں پہلے آپ کے سامنے ''اچانک حق نمودار ہوا۔'' یہ ''جاء الحق'' کا ترجمہ ہے۔

"اِنِّیۡ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰـہَ اِلَّا اَنَا" ہاں میں ہی اللہ ہوں' کوئی معبود نہیں ہے' لیکن میں ہی' کی سرمدی گونج اس طرح گونجی کہ سننے والا نہیں بتا سکتا کہ کدھر سے گونجی' لیکن گونجی اور اسی آگ سے گونجی' حضرت موسیٰ کو یوں ہی محسوس ہوا اور یہ تو قرآن میں ہے۔ غیر قرآنی یاداشتوں میں آیا ہے کہ پیپل کے سایہ میں جو مایوس بیٹھا تھا' گیا کا وہی شاکیہ منی یہ کہتا ہوا اچھلا۔

پا گیا' پا گیا' اب تجھے نہیں کھوؤں گا' جی گیا' جی گیا اب کبھی نہیں مروں گا۔" (او کما قال)

خدا ہی جانتا ہے کہ بدھ کیا تھا' کون تھا اور اس نے کہا کیا تھا' لوگوں نے کیا سنا' لیکن بھولے بسرے افسانوں میں ذکر چلا آتا ہے کہ کچھ اسی قسم کے الفاظ بولا۔

بہرحال حق کے اس فجائی اور اچانک نمود کے بعد بخاری ہی میں ہے کہ فجاء الملک تب فرشتہ آیا۔"

ملک ہی حق تھا' اور حق ہی ملک تھا جو یہ کہتے ہیں' اب ان سے میں یہ کیا کہوں کہ جس نے چکھا اسی نے جانا' ہم نے نہ چکھا اور نہ جان سکتے ہیں۔ ہمارے سامنے تو دعویٰ پیش ہوا' بڑا عجیب وغریب دعویٰ' دل ہلا دینے والا دعویٰ' جو دیکھ نہیں سکتے انہیں کیسے دکھایا جا سکتا تھا' نابیناؤں کے لیے اس کے سوا اور کیا چارہ ہے کہ بیناؤں کی سنیں' بخت کا چھوٹا وہ ہے جو خود بھی نہیں دیکھ سکتا اور دیکھنے والوں نے جو دیکھا ہے یہ بدنصیب اس کے سننے سے بھی پیٹھ پھیرتا ہے' گردن موڑتا ہے۔

لیکن جاننے سے پہلے کون مان سکتا ہے' جانو تب مانو پہچانو تب جھکو' یقین کی فطری راہ یہی ہے' تم آفتاب ہی کو نہ دیکھو۔ یہ تمہارے بس میں ہے' لیکن جو سورج کے سامنے کھڑا تھا' اس نے اپنی ایک پلک کو دوسری پلک سے اگر جدا کر لیا تو اب اس کے قابو میں ہے کہ وہ آفتاب اور اس چمک کو جھٹلائے؟ آگ کے چھونے پر کوئی مجبوری نہیں ہے' لیکن چھونے کے بعد گرمی کے ماننے سے کون گریز کر سکتا ہے؟

بجنسہ کچھ اسی طرح دیکھو کہ حرا کے دامن سے صدق وامانت کا آفتاب چڑھا' چڑھ کر انسانیت کے اس حاسہ کے سامنے آ کر ٹھہر گیا جس سے سچ جانا جاتا ہے' ممکن ہے کہ جس طرح لاکھوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو بینائی کی فطری قوت سے محروم ہو یا شنوائی کا حاسہ اس سے مسلوب ہو' لیکن سب اندھے ہوں' سب بہرے ہوں جس طرح یہ ناممکن ہے اسی

طرح یہ بھی محال ہے کہ آدمی ہو اور اس میں ''سچ اور سچائی کے یافت کا حاسہ نہ ہو'' یہ ڈاکٹر ہے اور وہ ڈاکٹر نہیں ہے'' اسی فیصلہ پر جانیں سپرد کی جاتی ہیں' آنکھوں میں نشتر چھبوائے جاتے ہیں۔

اس ٹرین کو سب نہیں ہنکاتے جو بیابانوں میں چلتی ہے' چڑھائیوں پر چڑھتی ہے۔ ذخار اور خونی دریاؤں کے پلوں سے گزرتی ہے' فیصلہ کی وہی قوت جو ڈرائیور کو غیر ڈرائیور سے' شوفر کو غیر شوفر سے جدا کر کے ہم میں یہ اطمینان پیدا کرتی ہے کہ اپنا سب کچھ سونپ کر ہم اپنے کو' اپنے بال بچوں کو' اپنے مال واسباب کو ریل کے ڈبوں میں ڈال دیتے ہیں۔ سچ کو جھوٹ سے اگر جدا کرنے کا حاسہ ہم میں نہ ہوتا تو ڈاکٹر اور ڈرائیور کیا؟ زندگی کے کسی شعبہ کی گاڑی ایک سیکنڈ کے لیے بھی چل سکتی ہے؟

اور یہی وجہ ہے کہ سلبی یا ایجابی کون سی شکل باقی رہی جس معیار پر سچائی کی یہ ''لاھوتی'' حقیقت نہ پرکھی گئی۔ زر لے کر دوڑے' زمین لے کر دوڑے' زن لے کر دوڑے۔ الغرض جو کچھ سونچا جا سکتا ہے' ہر ایک سے رگڑ رگڑ کر' گھس گھس کر انہوں نے جانچا' لیکن صدق وامانت کے احساس کی وہی گرفت جو دعوئی سے پہلے ان کے دلوں پر مسلط تھی۔ کسی تدبیر سے ڈھیلی نہیں پڑتی۔ اس میں کیا ہے؟ اس کے اندر کیا ہے؟ مال ہے' جاہ ہے' یا کچھ اور ہے۔ ہر سوال کی سلائیاں' لمبی لمبی سلائیاں ڈال ڈال کر ہر ایک نے دیکھا' بار بار دیکھا' لیکن سچ کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے' اخلاص کے سوا اس میں کچھ نہیں ہے' ہر آزمائش' ہر جانچ کا آخری نتیجہ یہی برآمد ہوا۔ جانچ کی یہ ایجابی شکلیں تھیں' اس راہ سے انہیں کچھ نہیں ملا۔

اب وہ منفی وسلبی تدبیروں کے متعلق باہم ایک دوسرے سے مشورہ کرنے لگے۔ دارالندوہ کی مجلسی سرگرمیاں جتنی اس وقت تیز ہوئیں' اس کی تاریخ میں ایسی گرم بازاری اسے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

مسلو! اس کے باطن کو مسلو! متھو! اس کے اندر جو کچھ ہے' سب کو متھو' ملو' دلو! اور جس جس جتن سے جو کچھ ممکن ہے' سب کچھ کر گزرو! قدرت نے اس کا بھی ان کو وسیع موقع بغیر کسی مزاحمت کے بڑی فیاضی کے ساتھ اتنی فیاضی کے ساتھ جس کی نظیر حق وراستی کے تجربہ کی تاریخ میں قطعاً مفقود ہے' عطا فرمایا۔

جو کیا کچھ نہیں کرسکتا تھا اور جب اجازت ہوگئی تو کیا کر کے اس نے نہیں دکھا دیا۔ وہی اس وقت سکون تام' صبر مطلق کا ایک کامل مجسمہ بن کر اپنے کو اپنے ظاہر و باطن کو ان میں ہر ایک کے آگے ڈالے ہوئے تھا۔

جانچ کی اس راہ میں پھر کیا پیش ہوا۔ بجز اس کے جس میں اسی درجہ کا صدق ہو جو اس میں تھا' اسی درجہ کی امانت ہو جو اس میں تھی (اور یہ مقام نسل آدم میں کسی کو میسر آ سکتا ہے' ان کو کون جھیل سکتا ہے؟)

تعذیب صحابہؓ:

اس کے لاوارث بیکس ساتھیوں پر پہلے انہوں نے ہاتھ چھوڑا اور اس طرح چھوڑا کہ چیرہ دستیوں کا کوئی ایسا دقیقہ نہ تھا' جسے انہوں نے رکھ چھوڑا۔ دہکتے ہوئے کوئلوں پر زندہ کھال والی پیٹھیں' ننگی پیٹھیں لٹائی گئیں' جلتی ہوئی ریت پر جانداروں کو سلایا گیا۔

کتے جب مر جاتے ہیں تب ان کی ٹانگوں میں رسی باندھ کر مہتر گھسیٹتے ہیں' لیکن قریش کے مہتروں میں ایسے مہتر بھی تھے' جنہوں نے جیتے جاگتے آدمیوں کے گلے میں رسیاں باندھیں اور مکہ کی گلیوں میں ان ہی رسیوں کے ساتھ وہ گھسیٹے گئے' گرم پتھروں پر کھلے بدن کے ساتھ کوڑے مار مار کر' سچ کو چھوڑ کر جھوٹ بولنے کے لیے تڑپائے گئے' تلملائے گئے' چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے تیز و تند ایندھنوں کا دھواں پہنچایا گیا' جن پر یہ گزر رہی تھی ان کا جو کچھ امتحان تھا' ظاہر ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس رؤف و رحیم فطرۃ طیبہ میں جنبش پیدا کرنے کے لیے یہ طوفان اٹھایا گیا تھا' اس کے صبر مطلق اور سکون تام کے لیے یہ بڑا سخت اور کڑا امتحان تھا' اس کے سوا جو وہ اپنے اندر بتاتا تھا اور کسی چیز کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تھا تو اس کے لیے اس کے رقیق قلب' گداز دل کے لیے یہ منظر ناقابل برداشت تھا' لیکن سب کچھ ہلا دیا گیا اور پوری طاقت کے ساتھ ہلا دیا گیا مگر جو ''سچائی'' کی چٹان پر بٹھایا گیا' بجز آنکھوں میں آنسو بھر لانے کے اس میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ بوڑھی غریب بے کس عورت کے سر پر انگارے رکھے گئے' اس کے سامنے اس کے شوہر کے سینہ میں برچھا بھونکا گیا۔ حضرت عمار کی والدہ اور والد کی اس جگر شگاف حالت کو دیکھ کر زبان میں اضطراراً حرکت پیدا ہوئی' لیکن اس حرکت میں جو آواز آئی وہ صرف یہ تھی۔

عمار کے گھر والو! اللہ تم پر رحم فرمائے۔
تنگی کے بعد کچھ دور نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فراخی پیدا کر دے۔"

ہجرت حبشہ:

چڑیوں کے بھی گھونسلے ہوتے ہیں جن میں وہ پناہ لیتی ہیں اور سانپوں کی بھی بانبیاں ہوتی ہیں جن میں وہ چھپ کر رگیدنے والوں سے اپنی جان بچاتے ہیں' لیکن دعویٰ کے زور کو توڑنے کے لیے ستم کے جو پہاڑ جن غریبوں پر توڑے جا رہے ہیں' ان کے پاس تو وہ بھی نہ تھا' ان میں بڑی تعداد ان غلاموں کی تھی' جن کا نہ اپنا گھر ہوتا ہے اور نہ در' یا ایسے تھے جو دوسروں کے سہارے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جس پر سہارا ہو جب وہی سہاروں کو ختم کرنے کے درپے ہو جائے تو اب اس کے لیے کہاں پناہ ہے؟ اتنا سرمایہ بھی نہیں تھا کہ عرب کے اس ٹاپو کو چھوڑ کر خدا کی لمبی چوڑی زمین میں اور کسی اور جگہ اپنے سجدوں کے لیے جگہ پیدا کریں' اف کہ ان کی پیشانیوں کو خدا ہی کی زمین پر زمین کا اتنا ٹکڑہ بھی میسر نہ تھا جس پر وہ اپنی پیشانی اپنے خدا کے آگے رکھ سکیں۔

اس کو اپنی جگہ سے ہلانے کے لیے' اس جگہ سے ہلانے کے لیے جس پر قدرت نے بٹھانے والے کو بٹھلایا تھا۔ دوسروں پر یہ دباؤ ڈالا جا رہا تھا۔ بالآخر اسی کو اپنے سینہ پر پتھر رکھنا پڑا اور اپنی چہیتی صاحبزادی اور محبوب داماد کو آمادہ کیا' تا کہ دوسروں کو گھر مل سکے۔ اپنے گھر نعمتوں سے بھرے ہوئے گھر کو چھوڑ دو! جلاوطنی کے مصائب سے قطعاً ناواقف نوجوان دولہا اور نویلی دلہن نے سر جھکا دیا اور بن گھروں کو گھر دلانے کے لیے یہ گھر والا سمندر پھاند کر حبشہ پہنچ گیا۔ حضرت عثمانؓ آنحضرتؐ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا جوان کی بیوی تھیں ان کو اور مکہ کے غرباء فقہا اور اسی قسم کے ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر حبشہ پہنچے۔ جن کے ماں' باپ اعزاء' اقرباء ایمانداروں کو بے ایمانی پر مجبور کر رہے تھے اور یہ پہلی دفعہ نہیں بلکہ ہمیشہ دیکھا گیا ہے کہ ایمان پر کبھی جبر نہیں کیا گیا' لیکن بے ایمانی پر مجبور کرنے کے واقعات سے تو تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس پر بھی بے ایمانوں نے پھیلایا کہ ایمان ہی جبر سے پھیلا' بہرحال اسی جماعت میں ابوطالب کے نوجوان صاحبزادے جعفر طیار تھے' بڑی کش مکش ہوئی یہ دکھانے

کے لیے کہ جانچ کا کام جن کے سپرد تھا' انہوں نے جانچنے میں کوئی کمی نہیں کی' پرکھنے کے اس معاملہ کو اس نے آخر تک پہنچایا تھا۔

یہ دکھایا گیا کہ امتحان لینے والوں کی اس جماعت نے سلطنتوں کے بھی پرواہ نہ کی۔ ہاتھیوں والے بادشاہ کے شاہی دربار تک کے پردہ ہائے جلال کو چاک کرنے کی' اگر اس راہ میں ضرورت پیش آئی تو وہ یہ بھی کر گزرے۔

جن کے انہماک و دلچسپی کا حال یہ ہو' اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے آزمائش کے سلسلہ میں کوئی دقیقہ اٹھا رکھا ہوگا؟ بادشاہتیں ختم ہو گئیں' سلطنتیں مٹ گئیں' لیکن تاریخ کے اس طویل عرصہ میں دنیا کی جو سلطنت اب تک اپنے پاؤں [30] پر قائم ہے اور جس کو چت کرنے کے لیے سائنس اور کیمیا کے ہتھیاروں سے اس وقت تک کوشش جاری ہے' لیکن دنگل میں ابھی تک خم ٹھونک رہی ہے' اسی حبشہ کے تخت کا نجاشی اپنے وزیروں' امیروں' پادریوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا ہے اور جو اللہ کے غلاموں کو اپنا غلام بنانے کے لیے آئے ہیں' اچھل رہے ہیں کہ ان کی پیاسی تلواروں کے لیے اب خون دیا جائے گا اور ان کے انگاروں کے لیے اب کباب عطا ہوں گے۔

نجاشی کے دربار میں جعفر طیارؓ کی تاریخی تقریر:

لیکن جونہی کہ وہ نوجوان [31] ان کے سامنے ان دیکھی قوت کے ساتھ اٹھ کر کڑکتا ہے۔

سن اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں غوطے کھا رہے تھے' ہم پتھر کی کھودی ہوئی مورتوں کے آگے جھکتے تھے' ہم مردار کھاتے تھے' ہم بے حیائیوں سے لت پت تھے'

[30] (افسوس ہے کہ جس وقت یہ مضمون لکھا جا رہا تھا' اس سلطنت کا یہ حال تھا' جو مظلوموں کو پناہ دے کر چودہ سو سال تک قدرت کی پناہ میں آئے تھے' ان کے ایک بادشاہ نے ظلم کیا' صرف اس لیے ظلم کیا کہ حبشہ کے تخت کا وارث بن جائے' تین خداؤں کے ایک خدا کا بندہ ہو چکا تھا' یا ہو رہا تھا' غریب منی لک جو سلطنت کا اصلی وارث تھا اسلام کے جرم میں تخت سے محروم کیا گیا' جیل میں ڈالا گیا' ہیل سلاسی نے اس کو بڑی کامیابی سمجھی' لیکن پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو بھی حکومت کرنے کی اجازت نہ دی' ظالم پر ظلم مسلط کیا گیا اور اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ۱۲)

[31] (یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے بھائی جعفر طیارؓ تھے' وطن چھوڑنے والوں کے ساتھ حبشہ گئے آٹھ سال بعد آنحضرتؐ سے مدینہ میں آ کر ملے' چند دنوں کے بعد موتہ کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ شہادت کے وقت عمر مبارک تیس سال سے کم تھی' چند سال ہوئے کہ نعش مبارک تیرہ سو سال بعد اصلی حالت میں برآمد ہوئی' جسم پر زخموں کے نشان موجود تھے' اخباروں میں یہ خبر چھپی تھی ۱۲)

ہم رشتوں ناطوں کو کاٹتے تھے۔ ہم اپنے پڑوسیوں کے لیے صرف دکھ اور رنج تھے' زور والے ہمارے بے زوروں کو نگلتے چلے جا رہے تھے کہ اچانک ہم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اٹھایا' جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں' جس کی سچائی کا' صدق کا' امانت کا' پارسائی کا' ہم سب کو تجربہ ہے۔"

اسی نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف پکارا اور حکم کیا کہ ان ساری گندگیوں' ان سارے جھوٹے پتھر کے کھودے ہوئے دیوتاؤں سے ٹوٹ کر جدا ہو جائیں جن کے ساتھ ہم پہلے لپٹے ہوئے تھے۔

اے بادشاہ! اس نے ہم پر اصرار کیا ہے کہ جس کی امانت ہو اس کو واپس کر دیں۔ رشتوں اور برادریوں کو جوڑیں' پڑوسیوں سے حسن سلوک برتیں' اللہ نے جن باتوں سے ٹوکا ہے' جس کے خون سے روکا ہے' ان سے رک جائیں۔ بے شرمی کے کاموں' بے حیائی کے دھندوں کو چھوڑ دیں' اس نے ہمیں منع کیا ہے کہ بناوٹی باتیں نہ بنائیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں' پاک باز عورتوں پر تہمت نہ جوڑیں۔

(دہرا کے زور دیتے ہوئے) اس نے ہم کو حکم کیا ہے کہ اللہ ہی کو پوجتے رہیں' کسی کو اس کا ساجھی اور شریک نہ بنائیں۔

اور اس نے ہم پر یہ بھی لازم کیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں' زکوٰۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔

پس ہم اس پر سچا یقین کرتے ہیں' اس کی تصدیق کرتے ہیں اس کی باتوں کو مانتے ہیں' جو کچھ اللہ کے یہاں سے لایا ہے' اس پر ہم چلتے ہیں (پھر پلٹ کر) اسی لیے ہم صرف اللہ ہی کو پوجتے ہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک و سہیم نہیں سمجھتے۔ اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا' ہم نے بھی اس کو حرام کیا جن چیزوں کو اس نے حلال کیا' ہم نے بھی ان کو حلال کیا۔"

سناٹا چھا گیا' اپنی زمین کا سب سے مطلق العنان[۳۲] بادشاہ چیخ اٹھا۔ روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا۔

۳۲ (اس بادشاہ کے حالات میری کتاب "اسلام کا سب سے پہلا بادشاہ" میں پڑھیے ۱۲)

"ایسوں کو کون دے سکتا ہے' ان کو کیسے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔"

جو لوہا گرم ہوا تھا جب اس کی گرمی کا یہ حال ہے تو جس نے اس کو گرم کیا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کی حرارت کو کون برداشت کر سکتا تھا' مگر وہی جنہوں نے چھوا نہیں تھا یا جو چھونے سے ہچکچا رہے تھے' ورنہ جنہوں نے چھو لیا تھا دیکھ رہے ہو کہ یہ آگ کسی طاقت سے بجھ رہی ہے۔ غریبوں سے' امیروں سے' شاہی قوت کے فوارے سے بجھانے کی کوشش کی گئی' لیکن بجائے بجھنے کے وہ اور بھڑکی' بجائے دبنے کے وہ اور بھبکی۔ اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ جاننے نہ جاننے' چھونے نہ چھونے' دیکھنے نہ دیکھنے کا سب کو اختیار ہے' لیکن جس نے جان لیا' جس نے چھو لیا' جس نے دیکھ لیا نہ مانا' اس کے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔ حقیقت کی گرفت سے اس کے بعد اپنے کو صرف وہی آزادی دکھا سکتا ہے' جو گرفتار ہوتا ہے لیکن کسی باطنی شرارت کی وجہ سے دعویٰ کرتا ہے کہ میں آزاد ہوں' یہ ہٹ دھرموں کا گروہ ہے' یہ ڈھٹائی والے معاندین کی جماعت ہے جو جھٹلاتی ہے اور کسی باطنی خبث کی وجہ سے جان بوجھ کر جھٹلاتی ہے' مگر یہ لوگ وہ نہیں تھے جو جاننے ہی سے جان چرا رہے تھے یا دیکھنے سے آنکھیں میچ رہے تھے' بلکہ انہوں نے جاننے کے اختیار کو استعمال کیا پھر ماننے سے کیسے باز رہ سکتے تھے۔

جس نے سورج اور اس کی شعاعوں کو دیکھ لیا' کیا اپنی آنکھ سے ان کے احساس کو پونچھ کر محو کر سکتا ہے۔

ذات مبارکؐ کے ساتھ ایذا رسانیوں کا آغاز:

بہر حال یہ تو ان کی جانچ تھی جو گرمائے گئے تھے' لیکن ان تمام گرمیوں کا جو حقیقی منبع اور ان کا گرمانے والا تھا' اب تک اس کے صرف ایجابی امتحانات تک بات پہنچی تھی اس کو تو انہوں نے اس وقت تک مہلت دے کر جانچا تھا جس طرح اس کے ساتھیوں کی جان لے کر' ان کی عزت و آبرو لے کر۔

ان کی جسمانی راحت و آرام کو لے کر' ان کے جینے کے حق کو چھین کر انہوں نے آزمایا تھا "صدق" و "امانت" کے اس حقیقی سرچشمہ کے ساتھ آزمانے کی اس راہ کو اختیار کرنے سے کچھ جھجک رہے تھے جس کا امتحان تھا' اگرچہ خود اس کو دیدہ اور مرئی قوتوں سے انکار تھا'

لیکن ان آزمانے والوں کی نگاہوں' تنگ نگاہوں میں تو بھروسہ صرف وہی تھا جو سامنے ہو' بہرحال اس بھروسہ کی تعداد ہی کتنی سی تھی' لیکن جتنی بھی تھی' جب اس میں سے اسی' پچاسی آدمی نکل گئے تو ظاہر ہے کہ آزمانے والوں کے لیے راستہ بہت کچھ صاف ہو چکا تھا' یہ سچ ہے کہ جمہوریہ قریش کے بین الفرقی یا بین القبائلی قوانین کی رو سے بھی اس پر ہاتھ دراز کرنا آسان نہ تھا جوان غلاموں' پردیسیوں' بیکسوں کی طرح لاوارث نہ تھا۔ جن کے ساتھ ان ظالموں نے جور وستم کی چاند ماری' ٹھنڈے سانسوں کے ساتھ کھیلی تھی' وہ بنی ہاشم سے بھی دبتے تھے اور ان کے حلیفوں سے بھی شرماتے تھے' جن کے ساتھ ان کے ''نشانہ'' کا خاندانی تعلق تھا۔ تاہم زیادہ دن تک وہ صبر نہ کر سکے۔

ابوطالب کو توڑنے کی کوشش:

اور اب سلبی آزمائشوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا' قریش کے گھاگھوں کی مجلس نے طے کیا کہ اس کے لیے زیادہ لمبی چوڑی کوششوں کی حاجت نہیں بلکہ ان کی ظاہری آنکھوں کے سامنے اس کی جو سب سے بڑی چٹان تھی' جس پر اگرچہ وہ خود ٹیک لگائے ہوئے نہیں تھا' لیکن وہ یہی باور کرتے تھے کہ اس کی سب سے بڑی ٹیک اس کا چچا ابوطالب ہے۔ طے کیا گیا کہ بس اسی چٹان کو جس طرح بن پڑے' کسی طرح اس کے قدموں کے نیچے سے سرکا لو' یقین تھا کہ اسی کے ساتھ وہ اور اس کا دعویٰ دونوں ہی سربسجود ہو جائیں گے جو کچھ ممکن تھا' اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے کیا۔

ابتداء میں انہیں کچھ مایوسیاں ہوئیں اور اچھی خاصی مایوسیاں ہوئیں' لیکن واقع میں وہ کس طرح پر کھڑا ہے اس کے عینی شاہد کس طرح پیدا ہوتے اگر ابوطالب اپنی چالیس سال کی محنت ومحبت کو برباد کرنے پر آمادہ نہ ہو جاتے' تاریخ نے اس دردناک مرقع کی تصویر محفوظ رکھی ہے جس وقت اپنے گودوں کے پالے ہوئے یتیم بھتیجے کو لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں آبدیدہ ہو کر ابوطالب کہہ رہے تھے۔

لا تحملنی مالا اطیق (مجھ پر اتنا نہ لادو جسے میں اٹھا نہ سکوں)

قریش کامیاب ہو گئے' چٹان لڑھک گئی' لیکن قریش ہی نے نہیں بلکہ دنیا نے دیکھا کہ جس کو گرانے کے لیے یہ کیا گیا تھا' وہ جہاں تھا وہاں سے ہلا بھی نہیں صرف آواز آ رہی تھی کہ کہنے والا کہہ رہا ہے۔

"خدا کی قسم میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں میں ماہتاب اگر اس لیے رکھ دیا جائے کہ میں اس امر کو اپنے ہاتھوں سے چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہو سکتا۔"

یہ تو ان کی ایجابی کوششوں کی امید دبی چھپی چنگاریوں کو آخری طور پر بجھانے کے لیے فرمایا گیا اور اس کو تو وہ دیکھ بھی چکے تھے' آفتاب و ماہتاب تو ان کے پاس تھے نہیں' لیکن جو کچھ بھی تھا سب کو دے کر مایوس ہو چکے تھے' باقی اب جن سلبی اور ایذائی مہموں کا انہوں نے آغاز کیا تھا اس کے متعلق بھی قطعی لفظوں میں اعلان کر دیا گیا۔

"یہ کام پورا ہو گا' یا میں اس میں مر جاؤں گا۔"

کام تو پورا ہونے والا تھا اور اس میں شک کی گنجائش ہی کیا تھی' لیکن دے کر تو تم دیکھ چکے ہو اب لے کر دیکھو! اچھی طرح دیکھو! اس سلبی امتحان کی راہ میں جان تک کی بازی لگا دی گئی اور یہی مطلب تھا۔

او اھلک فیہ (یا میں اس میں مر جاؤں گا یا مارا جاؤں گا)

سنگ دل' سیاہ سینہ جانچنے والوں نے پھر کیا اس سلسلہ میں کہیں رحم کھایا۔ جو کچھ کر سکتے تھے' سب کچھ کر رہے تھے' لیکن ان کا کہیں دل دکھا؟ عزت پر' آبرو پر' جسم پر' جان پر' حملوں کی کوئی قسم تھی' جس کو انہوں نے باقی چھوڑا۔ یقیناً ان کے ترکش میں کوئی تیر ایسا نہ تھا جو چلنے سے رہ گیا۔ نکاحی[۳۳] بیٹیوں کو طلاق دلوائی گئی' سر پر خاک ڈالی گئی' راہ میں[۳۴] چہرہ مبارک پر بلغم تھوکا گیا گردن مبارک میں پھندا لگایا گیا۔

شعب ابی طالب:

اور آخر میں سب جانتے ہیں کہ کھانا بند کیا گیا' پانی بند کیا گیا۔ زندگی کے تمام ذرائع روکے گئے۔ ایک ماہ نہیں' پورے تین سال تک ابی طالب کی گھاٹی میں اسی طرح رہنے پر مجبور کیا گیا' خود ان کو مجبور کیا گیا اور ان کے ساتھ بوڑھے ابوطالب اور معصوم بچے' ناتواں عورتیں جو بنی ہاشم اور چند دوسرے خاندانوں کی تھیں۔ اسی حال میں ڈالے گئے۔

---

۳۳ (آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دونوں لڑکوں سے ہو چکا تھا' رخصتی نہیں ہوئی تھی' صرف آبروریزی کے خیال سے ابولہب نے اپنے لڑکوں کو حکم دیا کہ طلاق دے دیں' عرب کے شریف گھرانوں میں طلاق بڑی بے عزتی کی بات تھی' ۱۲)

۳۴ تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب "مصائب النبیؐ" ۱۲)

وہی فطرت رحیمہ ورؤفہ جو انسان تو انسان کسی جانور کے دکھ کو بھی دیکھ کر تڑپ جاتی تھی۔ اس کے لیے آزمائش کی کیسی کڑی گھڑی تھی کہ ننھے ننھے بچے اس لیے بلبلاتے تھے کہ ان کی ماؤں کی چھاتی میں دودھ نہیں ہے۔ آٹھ آٹھ دن' دس دس دن ان کے منہ میں اڑ کر کوئی کھیل بھی نہیں پہنچی ہے' کیا سخت وقت ہے کہ پیشاب سے شرابور خشک چمڑے کو دھو کر بھون بھون کر ان کو کھانا پڑا' جن کے دانتوں نے شائد سوکھا گوشت [۳۵] بھی نہیں چبایا تھا' جو پتے شائد بکریاں بھی شوق سے نہ کھاتیں' ان پر ہفتوں بسر کرنا پڑا۔ مصیبت کی ان چیخوں' تکلیف کی ان پکاروں میں اس احساس فطرت طیبہ کے لیے کیسی عظیم بے چینی تھی' اس کا اندازہ وہی کر سکتے ہیں' جن کے دل میں درد ہو' اور جو درد والوں کے لیے اپنے اندر کوئی ٹیس رکھتے ہوں' لیکن یہاں تو باطن کو ظاہر کر کے دکھانا تھا۔ چھوڑ دیا گیا تاکہ کریدنے والے جہاں تک ممکن ہو کریدیں' وہ مسل رہے تھے' رگڑ رہے تھے' انگلیاں ڈال ڈال کر ٹٹول رہے تھے کہ جو کچھ ظاہر کیا جا رہا ہے کیا اندر میں کچھ بھی کہیں بھی اس کے سوا کچھ ہے۔ تجربے کرنے والوں کے لیے تجربے کے سارے ساز و سامان' تمام آلات اور اوزار ایک ایک کر کے مہیا کر دیئے گئے تھے کہ آئندہ انہی کو گواہی دینی تھی' ان ہی کو دنیا کے آگے فرض شہادت ادا کرنا تھا۔

شعب ابی طالب کے مصائب کی قیمت' واقعہ معراج:

ابوطالب کے شعب کا مرحلہ بھی ختم ہو گیا۔ یہاں دنیا کی ہر چیز سے جدا کیے گئے تھے اور جدائی کی رفتار کو گھاٹی کے ستم زدوں کے شور و فغاں نے اور تیز کر دیا تھا جو فطرتاً دنیا اور دنیا والوں سے کچھ جدا ہی جدا سا تھا' جب قصداً بھی اس کو جدا کیا گیا اور ایسے سخت دباؤ ڈال ڈال کر جدا کیا گیا جس سے زیادہ دباؤ اس رقیق قلب کے لیے ممکن نہ تھا۔ سمجھا جا سکتا ہے کہ کائنات سے جدائی کی اس رفتار نے آخر کسی دوسری جانب ارتقاء کی کتنی منزلیں طے کی ہوں گی' جس چیز کو ایک طرف سے دباؤ گے تو دوسری طرف سے اس کا ابھرنا ناگزیر ہے' ستر اور خاموشی سے کام لیا جاتا تو وہ خود عقل قیاس کرتی کہ اس دباؤ نے کسی دوسری سمت کتنا ابھار پیدا کیا ہوگا۔

---

[۳۵] (فاتح ایران حضرت سعد بن وقاصؓ کے ساتھ یہ واقعہ شعب ابی طالب میں پیش آیا۔۱۲)

لوگ سوچتے نہیں ورنہ جب شعب ابی طالب سے نکلنے کے ساتھ ہی کہنے والے نے حرا کے واقعہ سے بھی زیادہ قدرت کی نادرہ نمائی کا اظہار کیا تو جن پر ابھی اس شب کی روشنی نہیں کھلی تھی، جس میں ''ان پڑھ کو کتاب دی گئی' وہی کہنے لگے کہ ایک رات میں اتنا عروج ایسا عروج کس طرح میسر آیا۔

واقعہ معراج کے متعلق چند ارشادات:

ان بھولے بھالوں سے کوئی کیا کہہ سکتا ہے' آخر جو نیچے سے دبایا گیا اور مسلسل اتنی بے دردیوں سے دبایا گیا اور وہ دبتا ہی چلا گیا۔ کس قدر عجیب بات ہے کہ اسی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اوپر کی طرف کس طرح چڑھا اور کیوں چڑھتا گیا جن کو یہی نہیں معلوم ہے کہ عالم کیا ہے؟ انسان کیا ہے؟ اور دونوں کا بنانے والا کیا ہے؟ عالم انسان میں ہے یا انسان عالم میں ہے؟ جن پر یہی معمہ نہیں کھلا ہے تو پھر وہ اس گرہ کو کیا کھول سکتے ہیں' جس میں انسان اپنے خالق کے ساتھ بندھا ہوا ہے' خالق عرش پر بھی ہے اور جس کو خلیفہ اور آدمی کہتے ہیں' وہی جس میں خالق کی روح پھونکی گئی ہے' اس کی گردن کی ورید کے پاس بھی عرش ہی والا خالق ہے۔

جب تک ان متناقضات کے تناقض کو تم سلجھا نہیں سکتے اس قسم کے ژولیدہ حقائق کی گتھیوں میں کیوں الجھتے ہو۔ جو نہ روح کو جانتے ہیں اور نہ جسم کو' وہی باہم ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہیں کہ کیا یہ واقعہ روح کے ساتھ پیش آیا یا جسم کے ساتھ' پیش آیا تو کیا؟ روح کے ساتھ پیش آیا تو کیا؟ جن کی سمجھ میں' دونوں پہلوؤں میں سے ایک پہلو بھی نہیں آتا' وہ ان دوشقوں سے ایک کا تعین آخر کس بنیاد پر کرتے ہیں؟ ہستی کا جو تناور درخت تمہارے سامنے کھڑا ہے اور جس کے مختلف حصوں کے نام خاک وآب وآتش وباد وسفلیات وعلویات' ارض وسماوات' مرئیات وغیرہ مرئیات ہیں' وہی جس سے تمہارے سامنے فرات [36] نیل یا

---

۳۶ (معراج میں آنحضرتؐ نے 'سدرۃ المنتہیٰ' کی جڑوں سے جنت کی نہروں کو بہتے دیکھا اور فرات ونیل کو بھی اسی کے اندر سے پھوٹتے پایا' آپ کے اس بیان ہی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ''سدرۃ المنتہیٰ'' کوئی ایسی حقیقت ہے جو محسوس اور نامحسوس عالموں میں بطور قدر مشترک کے ہے' تفصیل کے لیے دیکھو حجۃ اللہ' شاہ ولی اللہ اور میری کتاب المعراج ۱۲)

گنگا وجمنا کی موجیں بھی ابلتی ہیں اور پھر اسی سے ان عالموں میں جہاں تمہاری اور تمہاری بینائی کی رسائی نہیں، تسنیم وکوثر کی نہریں بھی پھوٹی ہیں، تم کو کیا معلوم کہ اس درخت کی جڑ کہاں ہے اور اس کی پھنگ وجود کی کس شکل پر ختم ہوئی ہے نہ دیکھنے والے کیوں منہ تکتے ہیں جب دیکھنے والے نے کہا کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ ہے مٹی ہی گیہوں ہے اور گیہوں ہی روٹی ہے، روٹی ہی خون ہے اور خون ہی گوشت ہے اور گوشت ہی کہیں آنکھ ہے، کہیں جگر ہے، کہیں ہڈی اور کہیں ناخن ہے۔ ایک ہی وجود تمہیں مختلف پیرایوں میں کیا کیا نظر آیا؟ پھر اگر کسی نے شجر وجود ہی کے اندر نیل وفرات کو بھی اور تسنیم وسلسبیل کو بھی نکلتے دیکھا تو غلط کیوں دیکھا۔

جب دودھ پلایا گیا تو اصبت الفطرۃ کی آواز آئی، ایک صفت اگر دوسرے عالم میں دودھ کے رنگ میں دیکھی گئی تو پھر جھوٹ کی شکل دوسری دنیا میں اگر پتھر بن جائے، حسد کی شکل بچھو کی ہو، حرص چوہے کی شکل میں دوڑتا دکھائی دے تو اس پر حیرت کیا ہے، یقیناً انسان میں دونوں خواہشیں ہیں، حیوانی بھی اور ملکوتی بھی پھر حیوانی خواہشوں پر قابو پانے والوں کو اپنی یہ خواہش کسی حیوان ہی کے بھیس سے نظر آئے تو اس میں حیرت کیا ہے وہ سفید ہو، براق ہو، برق رفتار ہو، اتنا برق رفتار ہو کہ جہاں اس کی نظر پہنچتی ہو، وہیں اپنے قدم رکھتا ہو، وہ گھوڑوں جیسا بے ڈول لمبا نہ ہو، گدھوں جیسا ذلیل پست نہ ہو، موزوں قامت ہو، سب کچھ ہو لیکن رہے گا وہ حیوان ہی۔ کیا کیا جائے بڑی نشانیاں یا آیات [۲۷] کبریٰ کا سیاح چھوٹی نشانیوں یا صغریٰ آیات کے اندر رہنے والوں کو کس طرح سمجھائے کہ وہ کہاں کہاں گیا؟ کب گیا کس طرح گیا۔

اس بہرے کو جو نور کے عالم کی سیر کر چکا تھا۔ جب آواز کی اس دنیا میں چلنے کے لیے کہا گیا جو موروں کی جھنکار، شیروں کی ڈکاروں، چڑیوں کے چہچہوں، چکوروں کے قہقہوں سے معمور تھی تو اس نے پوچھا کہ آواز کی دنیا؟ کتنی دور، کس پر؟ کتنی دیر میں پہنچا جا سکتا ہے؟ حالانکہ کان کا پردہ اٹھا اور یہ سارے سوالات کافور تھے، جس کے صدر کا شرح ہوا، جس کا سینہ کھولا گیا، جس کے ظاہری حواس کے ساتھ باطنی احساسات بھی جگا دیئے گئے لوگ اس کو سن

---

۲۷ (قرآن کی جس آیت میں اسراء یعنی معراج کا ذکر ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ اپنے بندے کو اس لیے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی جانب رات کو لے گیا تا کہ "سب اپنی نشانیاں" اس کو دکھائے اور دوسری جگہ جہاں اسی واقعہ کا ذکر ہے، وہاں نشانیوں کو آیات کبریٰ بڑی نشانیاں قرار دیا ہے۔ ۱۲)

کر پریشان کیوں ہوتے ہیں حالانکہ جن کے لطائف واسرار صاف ہیں اور ان لطائف کو تو تقریباً ہر شخص صاف کر سکتا ہے' ان سے اگر پوچھا جاتا تو اس کی تصدیق کرتے۔

اور بات یہ ہے کہ جو کچھ دکھایا جانے والا تھا کیا ہوا' اگر کسی خاص شان میں وہ کچھ دن پہلے دکھایا گیا۔ ہزارہا پیغمبروں سے کل آٹھ پیغمبروں اور ان میں بھی آدم سے شروع ہو کر معمار کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت پر' اس شخص کی ملاقات کیوں ختم ہو گئی جو آدم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچا اور جب مکہ فتح ہو گیا اس کا کام بھی ختم ہو گیا' جس نے دیکھا [۳۸] اور جنہیں دکھایا گیا۔ دونوں کی زندگیوں پر غور کرو' نظر آئے گا کہ جو ہونے والا تھا وہ کسی رنگ میں اس وقت ہو رہا تھا' حالانکہ ان ہی واقعات کے سلسلہ میں جب صرف "زندگی" نہیں بلکہ "امانت کبریٰ" کی زندگی اقصیٰ کی مسجد میں دکھائی گئی تو اس وقت آٹھ ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے پیغمبر اس امام کے پیچھے کھڑے نظر آئے جو نوع انسان کا سب سے بڑا امام ہے۔

(اللهم صل علیه وسلم)

اور سچ یہ ہے کہ جس کو سچا مانا گیا اس کے ہر ہر "سچ" پر دلوں میں شک کا ابھار یقین کرو کہ اس ماننے کا بداہتہً انکار اور اس ایمان سے یہ قطعاً ارتداد ہے۔ مرتد ہوا جس نے انکار کیا اور صدیق ٹھہرا جس نے اقرار کیا۔

اف! میں بہت دور نکل گیا' لیکن دور ہونے والوں کو قریب کرنے کے لیے کچھ دیر ہوئی تو وہ دیر نہیں ہے۔ بہرحال بات یہ ہو رہی تھی کہ جو ایک طرف سے اگر دبا دیا گیا تو اچنبھا

---

[۳۸] پہلے آسمان پر آدم' دوسرے پر عیسیٰ و یحییٰ علیہ السلام' تیسرے پر ادریس' چوتھے پر ہارون' پانچویں پر یوسف' چھٹے پر موسیٰ' ساتویں پر ابراہیم کو دکھایا گیا' آدم نے جس طرح اپنے وطن جنت سے نکل کر دنیا کی ہجرت کی آنحضرت مکہ (وطن) سے نکل کر مدینہ پہنچے۔ مدینہ میں یہودی فتنہ نے آپ کو اسی طرح گھیرا جس طرح عیسیٰ و یحییٰ علیہ السلام ان میں گھرے۔ ادریس علیہ السلام کتابت کے موجد تھے' بدر کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں میں نوشت وخواند کو مروج کیا حتیٰ کہ ہر خواندہ قیدی سے دس بچوں کو لکھنا سکھا دینا' فدیہ مقرر ہوا' ادریس کے بعد آپ نے سلاطین کے نام خطوط روانہ کیے' آگے جس طرح ہارون علیہ السلام بنی اسرائیل میں ہر دلعزیز تھے' آنحضرتؐ صحابہ میں محبوب تھے' پھر حضرت یوسف کو اپنے وطن ثانوی مصر میں جو اقتدار حاصل ہوا وہی حضور علیہ السلام کو اپنے دور ہجرت مدینہ طیبہ میں چند سالوں کے بعد حاصل ہو گیا' پھر جس طرح حضرت موسیٰ نے وطن فلسطین پر مصر سے حملہ کیا' آنحضرت نے مکہ پر حملہ کیا اور مشرکوں کو اقتدار سے آزاد کرایا۔ ابراہیم علیہ السلام بانی کعبہ تھے۔ کعبہ پر قبضہ کر کے پھر اس کو ابراہیم کی مسجد بنا دیا اسی پر زندگی ختم ہو گئی ۱۲)

کیوں ہے کہ وہ دوسری سمت میں دوڑ اور اتنی دور کیوں چلا گیا' آخر قدرتی طور پر یہ نہ ہوتا تو' ہوتا کیا اور اسی کا نتیجہ تو یہ ہوا کہ جن کو بار بار جاننے کے لیے اپنی آنکھیں کھولنے کے لیے کہا جاتا تھا' بظاہر ان کی تکذیب میں تیزی پیدا ہوئی' لیکن بہ باطن ان کی تفتیش میں اس دعویٰ نے اور تیزی پیدا کر دی اور اب امتحانی راہوں میں وہ ایسی باتیں سوچنے لگے جن کے بعد پھر کچھ نہیں سوچا جاتا۔

حضرت ابوطالب اور خدیجہؓ کی وفات:

وہ ادھر اپنے آخری منصوبے پکار رہے تھے کہ وقتوں کے ساتھ اس بندھی ہوئی دنیا میں ان دو آدمیوں کا وقت ختم ہو گیا۔

جو جانچا جا رہا تھا اس کے لیے واقعہ کے اعتبار سے کچھ نہ ہوں' لیکن عام بشری قانون کی رو سے ان کو بہت کچھ سمجھا جاتا ہے۔ شکی شک کرتے تھے کہ ملنے کے وقت یہی دونوں تھام لیتے ہیں۔ ٹوٹنے کے وقت بھی یہ دونوں ڈھارس باندھ دیتے ہیں۔

الغرض حضرت ابوطالب بھی چل بسے اور سب سے پہلے ایمان لانے والی خاتون دنیا کی ایمان والیوں کی پیشوا (رضی اللہ عنہا) نے اپنا کام پورا کر کے چھوڑ دیا۔ امتحان کے میدان میں تنہا چھوڑ دیا تا کہ تسلی کے التزام کا یہ شوشہ بھی کٹ جائے' مٹ جائے اور وہ کٹ گیا' مٹ گیا لیکن امتحان دینے والا امتحان کے میدان میں اسی طرح ڈٹا ہوا تھا اور ان تمام حالات کے ساتھ ڈٹا ہوا تھا جو اس پر گزر رہے تھے' گزارے جا رہے تھے۔

لیکن کب تک حبشہ والے حبشہ میں تھے۔ دنیا والے آخرت میں' مکہ والوں کے پاس امتحانی مدت کے دس سال سے زیادہ گزر چکے تھے' جانچ کی کون سی شکل تھی جو باقی باقی رہ گئی تھی بجز اس ایک منصوبے کے جو آخری منصوبہ تھا۔

طائف کی زندگی:

یہ نہیں سنتے شاید دوسرے سنیں۔ یہاں جی نہیں لگتا' شاید وہاں لگے۔ کچھ یہی سوچ کر زیادہ دور نہیں بلکہ امراء مکہ کے گرمائی اسٹیشن طائف کا خیال آیا۔ زید بن حارثہؓ آزاد غلام کے سوا ساتھ بھی کوئی نہ تھا' حجاز کی سب سے بڑی دولت مند عورت خود بھی جا چکی تھیں اور جو کچھ

ان کا تھا ان ہی راہوں میں جن پر وہ صرف ہو رہا تھا' صرف ہو چکا تھا سب کچھ جا چکا تھا اتنا بھی باقی نہ تھا کہ طائف تک کے لیے کوئی سواری کرایہ پر کر لی جائے۔ معمولی دو چپلوں کے سوا پائے مبارک کے لیے راستہ کو آسان کرنے والی کوئی چیز نہ تھی' اسی حال میں پہنچتے پہنچتے ہی اونچی دکانوں والوں کے پاس آئے' جس لیے آئے تھے اس کا اظہار کیا گیا۔ پھر تمام تجربوں میں یہ آخری تجربہ تھا کہ جس کسی کے پاس گئے اس نے پلٹایا' جس سے بولے اس نے جھڑکا' حالانکہ کم از کم اجنبی لوگوں کا سلوک ابتدا آپ کے ساتھ کبھی ایسا نہ تھا اور نہ وہ آواز پیغمبر کے نعروں کے ہوتے ہوئے ابتدائی فطرت بشری ایسا کر سکتی ہے مگر یہاں بھی دکھایا جا رہا ہے اور عجب شانوں کے ساتھ دکھایا جا رہا ہے۔ جنہیں کچھ نہیں آتا تھا ان کی زبانوں پر منطق جاری ہوئی۔

جسے سفر کے لیے ایک گدھا بھی میسر نہیں' کیا خدا کو اس کے سوا رسول بنانے کے لیے اور کوئی نہیں ملتا تھا؟

ٹوٹے ہوئے دل کے لیے یہ پہلا تیر تھا جو امارت کے نشہ میں چور ایک امیر کی زبان سے نکلا۔

"ردائے کعبہ تار ہو جائے' اگر خدا نے تمہیں رسول بنا کر بھیجا ہے۔"

کعبہ کی عظمت جس کی نگاہ میں ان بتوں کے ساتھ وابستہ تھی جو مختلف قبائل کی خدائی کے نام سے وہاں رکھے گئے اور اس کے خیال میں ان ہی بتوں نے سارے عرب کو کعبہ کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ اس نے اپنا یہ سیاسی نظریہ پیش کیا۔

تم اگر رسول ہو تو میں اس کا مستحق نہیں ہوں کہ تم سے بولوں' اور اگر نہیں ہو تو میری ذلت ہے کہ کسی جھوٹے سے بولوں۔"

یہ ان میں سے تیسرے کی منطق تھی جو سب کے لیے تھا اور سب کے لیے ہے' قیامت تک کے لیے ہے' کیسا دردناک نظارہ ہے۔ اسی کو سب واپس کر رہے تھے۔ تیز و تلخ جملوں کے ساتھ واپس کر رہے تھے۔ بات اسی پر ختم نہیں ہو گی کہ انہوں نے جو پیش ہوا تھا۔ اس کو صرف رد کر دیا بلکہ آگ[39] میں پھاندنے والوں کی جو کمریں پکڑ پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا' وہی کمر

[39] (بخاری و مسلم کی اس مشہور حدیث کا ترجمہ جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا و مثلی مثلکم انا اخذ بحجزکم من النار (میری مثال تمہارے ساتھ ایسی ہے کہ میں تم لوگوں کی کمریں پکڑ کر آگ سے کھینچ رہا ہوں)

کے بل گرایا جاتا تھا۔ پتھر مار مار کر گرایا جاتا تھا۔ گھٹنے چور ہو گئے' پنڈلیاں گھائل ہو گئیں' کپڑے لال ہو گئے' معصوم خون سے لال ہو گئے نوعمر رفیق نے سڑک سے بے ہوشی کی حالت میں جس طرح بن پڑا اٹھایا' پانی کے کسی گڑھے کے کنارے لایا' جوتیاں اتارنی چاہیں تو خون کے گوندے وہ تلوے کے ساتھ اس طرح چپک گئی تھیں کہ ان کا چھڑانا دشوار تھا۔

اور کیا کیا گزری' کہاں تک اس کی تفصیل کی جائے' خلاصہ یہ ہے کہ طائف [۴۰] میں وہ پیش آیا جو کبھی نہیں پیش آیا۔

لیکن کیا طائف کی بات صرف اسی پر ختم ہو جاتی ہے' سڑک مڑ رہی تھی' لیکن لوگوں نے راستہ کو سیدھا خیال کیا' چوراہے پر کھڑے تھے لیکن کوئی نہیں ٹھٹکا حالانکہ بخاری میں سب سے بڑی مصیبت کے سوال میں جب یہ ذاتی اقرار موجود تھا۔

كَانَ اَشَدُّ مَا لَقِيْتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَه سب سے زیادہ سخت اذیت ان سے (نہ ماننے والوں) سے مجھے اس گھاٹی میں طائف کے دن پہنچی۔

اِذْ عَرَضْتُ نَفْسِيْ عَلٰى ابْنِ عَبْدِ يَالَيْل

جس دن میں نے عبد یالیل کے بیٹے پر اپنے کو پیش کیا تھا۔

تو لوگوں نے احد اور احد کے پہاڑوں کو کیوں یاد کیا' لیکن جو احد کے مقابلہ میں طائف کو یاد کرتا تھا اس کو سب بھول گئے پوچھا بھی گیا تھا۔

هَلْ اَتٰى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ اَشَدُّ عَلَيْكُم مِنْ اُحُدٍ کیا آپ پر احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن آیا؟

اسی کے جواب میں جس پر گزری اس نے طائف پیش کیا' تو جن پر نہیں گزری اب ان سے کیا پوچھا جائے۔

---

[۴۰] (جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ طائف امراء مکہ کا گرمائی مستقر تھا ان کے باغ باغ میں بنگلے یہاں بکثرت بنے ہوئے تھے واپسی کے وقت آنحضرتؐ جس باغ میں ٹھہر گئے تھے یہ عتبہ وربیعہ قریش کے دو رئیسوں کا باغ تھا' بنگلے سے ان کی نظر حضور پر پڑی گو دشمن تھے لیکن عرب اور قریش تھے دل نہ مانا۔ اپنے عیسائی غلام عداس کی معرفت ایک پلیٹ میں انگور کے چند خوشے انہوں نے حضور کے پاس بھیجے' قبول فرما لیا گیا اور بسم اللہ کر کے تناول فرمانا شروع کیا' عداسؓ کو آپ کی بسم اللہ پر حیرت ہوئی۔ پوچھنے پر آنحضرتؐ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں' عداسؓ یہ سن کر قدموں پر گر کر بوسے دینے لگا۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ٹھیک جس طرح ابی طالب کی گھاٹی میں جو ایک طرف سے دبایا گیا تو دوسری سمت وہ بلند ہوا اور اتنا بلند ہوا کہ ارض وسموات' سفلیات وعلویات مرئیات غیر مرئیات' حتیٰ کہ جس پر سب ختم ہوتے ہیں' منتہی کا یہ سدرہ بھی اسی کے احاطہ میں آ گیا۔

بجنسہ کچھ اسی طرح طائف کی گھاٹی میں جو واپس کیا گیا اور اس طرح واپس کیا گیا کہ جن سے ملتے وہی پھٹتا جس سے چمٹتے وہی سمٹتا' جس کو ہلاتے وہی دردراتا' جس سے جوڑتے وہی توڑتا' انکار کی یہ آخری حد تھی' ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کائنات کا ذرہ ذرہ آپ سے ٹکرا رہا ہے جو ہے رد کر رہا ہے۔

اگر یہ ہو رہا تھا اور دن کی روشنی میں ہو رہا تھا تو کیوں نہ سمجھا گیا کہ جس قدرت کے ہر منفی قانون کی انتہا مثبت پر ہوتی ہے جس کے ہر عمل کی تان ردعمل پر ٹوٹتی ہے "عمل درعمل" کی گتھیوں میں گھتی ہوئی اس دنیا میں جب یہ واقعہ یوں ہی ہو رہا تھا تو بلاشبہ صفا کے دامن سے جس انکار کی ابتداء ہوئی تھی' طائف کی اس گھاٹی میں اس کی انتہا ہو گئی۔

جو رد کیا گیا' قبول کیا جائے گا' جو ہکایا گیا' بلایا جائے گا' جو گرایا گیا' اٹھایا جائے گا' عقل کا مقتضی تھا کہ ایسا ہوتا اور شاید کہ ایسا ہی ہوا' مگر اس دنیا کی ریت یہی ہے کہ مسبب ہمیشہ سبب کے رنگ میں آتا ہے۔ اصل نقل کے بھیس میں آتا ہے' کس قدر عجیب ہے' امتحان وابتلاء کی اس طویل کی زندگی میں "پڑ رہی تھی اور جھیل رہا تھا" اس نظارہ کے سوا اور کوئی تماشا کبھی پیش نہیں ہوا' لیکن جب مکہ کے ان ہی واقعات کا تکملہ طائف میں ہوتا ہے تو دیکھو جو شروع ہوا تھا وہ اپنے انتہائی نقطہ پر پہنچ کر ختم ہو گیا۔

طائف سے واپسی:

زیدؓ نے تو شہر سے باہر نکال کر خون سے لتھڑے ہوئے جسم کو دھو دھا کر صاف کیا۔ سامنے کے ایک باغ میں کچھ آرام لینے کے لیے پہنچایا۔ جہاں زخموں سے خستہ وبے جان' بھوک اور پیاس سے نڈھال' پردیسی مسافر کی مہمان نوازی انگور کے چند خوشوں سے کی گئی' جس سے دل ٹھکانے تو کیا ہوتا' لیکن صلاحیت پیدا ہو گئی کہ قدم اٹھا سکیں لیکن قرن الثعلب کے موڑ تک پہنچے تھے کہ ناتوانی نے بٹھا دیا۔ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور وہی جو انکار کے عمل کو آخری

حد پر پہنچا کہ اب رد عمل کا آغاز کرنا چاہتا تھا' دس بارہ سال کی خاموش زبان میں جنبش پیدا کرتا ہے۔ جو بند تھی کھل گئی' طوفان امنڈ پڑا' اس وقت وہاں کون تھا جو سنتا کہ کیا ابل رہا ہے تاہم غالباً زیدؓ ہی کے ذریعے سے چند الفاظ حافظوں میں اب تک باقی ہیں سال ہا سال کے صبر و سکون کی چٹان پھوٹی اور اس سے یہ فوارہ چھوٹنے لگا۔

''میرے اللہ! تیرے پاس اپنی بے زوری کا شکوہ کرتا ہوں' تیرے آگے اپنے وسائل وذرائع کی کمی کا گلہ کرتا ہوں' دیکھ! انسانوں میں میں ہلکا کیا گیا' لوگوں میں یہ میری کیسی سبکی ہو رہی ہے' اے سارے مہربانوں میں سب سے مہربان مالک میری سن! میرا زور' میرا رب تو ہی ہے' مجھے تو کن کے سپرد کرتا ہے' جو ہم سے دور ہوتے ہیں' مجھے ان سے نزدیک کرتا ہے یا تو نے مجھ کو میرے سارے معاملات کو دشمنوں کے قابو میں دے دیا؟ پھر بھی اگر مجھ پر تیرا غصہ نہیں ہے تو مجھے ان باتوں کی کیا پرواہ' مگر کچھ بھی ہو' میری سمائی تیری عافیت ہی کی گود میں ہے' تیرے چہرے کی وہ جگمگاہٹ' جس سے اندھیریاں روشنی بن جاتی ہیں۔ میں اسی نور کی پناہ میں آتا ہوں کہ اسی سے دنیا و آخرت کا سدھار ہے' مجھ پر تیرا غصہ بھڑک کے اس سے پناہ مانگتا ہوں مجھ پر تیرا غضب ٹوٹے اس سے تیرے سایہ میں آتا ہوں' منانا ہے' اس وقت تک منانا ہے جب تک تو راضی نہ ہو' نہ قابو ہے' نہ زور ہے' مگر علی وعظیم اللہ ہی ہے۔

یہ چند قطرات ہیں جو اس دن کی موجوں سے محفوظ رہ گئے ہیں ورنہ کون جانتا ہے کہ کیا کیا کہا گیا! کہلوایا گیا؟ پانچوں وقت بندہ و رب میں جب مکالمہ و مناجات کے دروازے کھولے جاتے ہیں' جس افتتاحی کلام سے اس کا آغاز ہوتا ہے' وہ کہا جاتا ہے یا[1] کہلوایا گیا ہے۔

پس سچ وہی ہے' جسے کہتا آ رہا ہوں کہ منفی قانون ختم ہو چکا تھا' طائف کی گھاٹیوں میں ختم ہو چکا تھا اور قطعاً ختم ہو چکا تھا کہ اس کا جو مقصد تھا وہ پورا ہو چکا۔ اندر باہر آ گیا' پوری طاقت سے آیا' ہر شکل میں آیا' ہر صورت میں آیا' ذکر بھی دیکھا گیا اور پورے طور پر دیکھا گیا۔ لے کر بھی جانچا گیا اور جی بھر کے جانچا گیا۔

---

[1] (سورۂ فاتحہ جو ایک درخواست کے رنگ میں ہے' اور نمازی اسی سے نماز کو شروع کرتا ہے پھر اس درخواست کے جواب میں قرآن کا کوئی حصہ سنایا جاتا ہے یعنی تم نے ''صراط مستقیم'' کی ہدایت کی جو درخواست کی تھی تو قرآن تمہیں وہ سیدھی راہ بتا رہا ہے' بہر حال مقصود یہ ہے کہ حالانکہ دعا ہم کرتے ہیں لیکن اس دعا اور درخواست کی تدوین خود حق تعالیٰ نے فرمائی ۱۲)

سال دو سال نہیں ایک جگ' ایک قرن سے زیادہ موقعہ دیا گیا' تا کہ ٹھونکنے والے ٹھونک لیں' بجانے والے بجالیں' کسنے والے کس لیں' تانے والے تالیں' آزمائش کی کون سی بھٹی تھی جس میں قدرت کے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا یہ زر خالص نہیں ڈالا گیا۔ حرارت کا کون سا درجہ ہے جو اس کے غیر معمولی لاہوتی حقیقت کو نہیں پہنچایا گیا' جو کچھ کر سکتے تھے' سب کچھ کر لیا گیا جس کے آگے کیا کچھ اور بھی سوچا جا سکتا ہے؟ جنہیں تم نے مکی زندگی کے ان سالوں میں مسلسل تابڑتوڑ پیہم ''صدق و دیانت'' کے اس بے نظیر سرچشمہ کے ساتھ ہوتے ہوئے ہیں دیکھا۔ شہادتیں تام ہو گئیں گواہیاں پوری ہو چکیں' تجربات مکمل طور پر مہیا ہو چکے' مشاہدات اکٹھے ہو چکے' الغرض عالم امکان میں جو کچھ ہو سکتا تھا سب ہو گیا۔ منفی قوانین اپنے سارے حقوق لے کر اپنے حدود کے آخری بالکل آخری نقطہ پر پہنچ کر ختم ہو چکے تھے۔

یقیناً وہی وقت آ گیا تھا اور اب نہ آتا تو کب آتا کہ واقعات کے دوسرے رخ کا آغاز ہو۔ پس وہی جس سے ہر چیز الگ کی گئی' کائنات کا ہر ذرہ جس سے ٹکرایا اور پوری شدت سے ٹکرایا اتنی شدت سے ٹکرایا کہ صبر سکون کے پہاڑ سب سے بڑے پہاڑ میں بھی جنبش پیدا ہوئی۔ انتظار کرو کہ اب اسی کے ساتھ ہر چیز لپٹے جس سے بھاگے تھے' اسی کی طرف سب دوڑے' جس سے جدا ہوئے' اسی سے آ کر ملیں' جس سے سب ٹوٹے' اسی سے اب سب جڑے جس سے سب پھٹے' اسی سے سب چمٹیں۔ جنہوں نے دردرایا' وہی اب اس کو پکاریں اور بے کسی کے ساتھ پکاریں' جس سے سب بھنچے تھے' اب اسی کی طرف ہاں! اسی کی طرف سب کھنچیں' پوری طاقت کے ساتھ کھنچیں' زمین کھنچے' آسمان کھنچے' فلک کھنچے' ملک کھنچے' جن کھنچیں' انس کھنچے' الغرض جو چیزیں کھنچ سکتی ہیں' سب کھنچیں اور دیکھو! کیا یہی نہیں ہو رہا ہے۔ شاعری نہیں واقعہ ہو رہا ہے۔ میں نہیں امام بخاری کہہ رہے ہیں۔

جبرئیل امینؑ کا ظہور' طائف کی راہ میں:

جو زمین پر چھوڑا گیا تھا اور ہر طرف سے چھوڑا گیا تھا' اسی کے مبارک قدموں سے سب کو جوڑنے کے لیے ملاء اعلیٰ[۴۲] میں جنبش ہوتی ہے' سلسلہ ملکوت کے ارتقائی نقاط کا آخری نقطہ ''الجبرئیل الامین'' کو دکھایا گیا کہ وہ پکار رہے ہیں؟

[۴۲] (قرآن مجید کی اصطلاح میں عالم غیب کے فوقانی طبقہ کا نام ملاء اعلیٰ ہے)

سن لیا!" "اللہ نے سن لیا' آپ کے لوگوں نے جو کچھ آپ کو کہا۔

پھر اسی سے جس کو سب نے لوٹایا تھا' خطاب کیا گیا۔"

"اور جنہوں نے آپ کو رد کیا' اور پھینکا وہ بھی اللہ سے غائب نہ تھے۔"

اس کے بعد جو ہلکا کیا گیا تھا اور جو اپنی سبکی کے دکھ سے چند منٹ پہلے کراہا تھا ھوانی علی الناس [۴۳] کے ساتھ رویا تھا' دیکھو کہ اس کو وزن بخشا جاتا ہے' کیا پتھر کے باٹوں کے برابر کیا گیا؟ پہاڑوں سے تولا گیا؟ ہمالیہ' ارال' البرز' آلپس کے مساوی ٹھہرایا گیا؟ عمل کا صحیح ردعمل کیا ہوتا اگر اسی پر بس کیا جاتا جو سب پر ہلکا تھا۔ جب تک سب پر بھاری نہ کیا جاتا کیسے کہا جاتا کہ عمل کا ردعمل ہو گیا۔

جبرئیل امین نے عرض کیا "قَدْ بَعَثَ اِلَیْکَ مَلِکَ الْجِبَالِ" اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس پہاڑوں کو نہیں بلکہ پہاڑوں کے فرشتہ کو بھیجا ہے۔

جس سے سب لیا گیا تھا' اب اس کو سب دیا جاتا ہے اور کس ترتیب سے دیا جاتا ہے' غیب میں بھی ملاء ادنیٰ [۴۴] سے پہلے ملاء اعلیٰ کا وہ قدوسی وجود [۴۵] جو روحانیوں کا سردار ہے اور شاید جو دائرہ ملکوت کا نقطہ پرکار ہے' وہ دیا جاتا ہے اس کے بعد ملاء ادنیٰ کے فرشتے ملک الجبال کی تسخیر کی بشارت سنائی جاتی ہے اور کیسی تسخیر جبرئیل امین عرض کرتے ہیں۔

"یہ پہاڑ کا فرشتہ ہے آپ جو حکم دیجیے اس کو حکم دیجیے وہ بجا لائے گا۔"

پہاڑ کا فرشتہ حوالہ کر دیا گیا جس کے سلام کے جواب میں بازار طائف کے چھچھورے تک پتھر پھینکتے تھے' ردعمل کی پوری قوت کا اندازہ کرو۔ خود فرماتے ہیں "اس پہاڑ کے فرشتے نے مجھے سلام کیا۔" سلام عرض کر کے جو مسخر کیا گیا تھا فرمان طلب کرتا ہے "یا محمد ذالک لک" (اے محمدؐ آپ کو پورا اختیار ہے)

کس امر کا اختیار ہے' اف جنہوں نے سنگریزوں سے مارا تھا' پہاڑ کا فرشتہ اجازت طلب کرتا ہے۔

---

۴۳ (آنحضرتؐ کی دعا جس کا ترجمہ درج کیا گیا ہے اسی کا یہ حصہ ہے یعنی حضور نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اس سب کی شکایت فرمائی تھی جو اس وقت لوگوں میں آپ کی ہو رہی تھی "لوگوں پر سبک ہونا" اس کا ترجمہ ہے ۱۲)

۴۴ (عالم غیب کے تحتانی طبقہ کو ملاء ادنیٰ کہتے ہیں)

۴۵ (یعنی جبرئیل امین تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب "الملکوت والمثال")

کیا ان پر طائف کے ان پتھر مارنے والوں پر ان دونوں پہاڑوں کو جن سے طائف محصور ہے' الٹ دوں؟

جس کو ذرائع و وسائل کی قلت کا گلہ تھا' اس کے ساز و سامان کی فراوانی کا اندازہ کرو! یہ بخاری میں کہا ہے؟ جس کے گھٹنے توڑے گئے' ٹخنے چورے گئے' اب اس کے قابو میں کیا نہیں ہے اور جو اختیار دیا گیا' کیا وہ پھر چھینا گیا۔

اس کے بعد اگر میں کبھی کہتا ہوں کہ احد میں دانت ٹوٹے نہیں بلکہ تڑوائے گئے' چہرہ مبارک زخمی ہوا نہیں بلکہ زخمی کرایا گیا' خندق میں پیٹ پر پتھر بندھے نہیں بلکہ باندھے گئے۔ الغرض اس کے بعد جو کچھ گزرا میں کیا غلط کہتا ہوں۔ جب لوگوں سے کہتا ہوں کہ گزرے نہیں بلکہ گزارے گئے' مہینوں گھر میں آگ جلی نہیں' بلکہ نہ جلوائی گئی' کھانا پکا نہیں بلکہ نہ پکوایا گیا۔

"مجھے مسکین ہی زندہ رکھ! مجھے مسکین ہی مار! اور مسکینوں ہی کے ساتھ اٹھا۔"

کیا اس آرزو کی ہر کلیجہ میں قوت ہے' کس کا جگر ہے جو یہ کہہ سکتا ہے! لیکن جن کو سب کچھ مل جاتا ہے' اپنے لیے نہیں غیروں کے لیے سب کچھ کرتے ہیں۔ نعمت والے تو اپنی نعمتوں سے خوش ہیں' لیکن مصیبت زدوں کی تسلی تو صرف اسی کی ذات سے ہو سکتی ہے' جس کے پاس سب کچھ ہو سکتا تھا' لیکن صرف اسی لیے کہ جن کے پاس کچھ نہیں ہے ان کے آنسو تھمیں۔ اس نے اپنے پاس کچھ نہیں رکھا' موطا امام مالک کی اس روایت کا کیا مطلب ہے کہ "میرے مصائب ہر مسلمان کی تعزیت کریں گے۔"

[۴۶]سوچنا چاہیے کہ مصیبت کی کون سی ایسی قسم ہے جو اس وجود اطہر پر نہ گزری' جو دنیا والوں کے لیے اسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔

---

۴۶ (ماں' باپ' دادا' چچا' بیوی بچے سب آپ کے سامنے بلکہ باپ تو پیدائش سے پہلے آپ سے چھوٹے۔ فاطمہؓ کے سوا تمام لخت ہائے جگر کو خود اپنے ہاتھوں سپرد خاک کیا۔ عزیزوں کی موت کی یہ صورت ہوئی' خود آپ پر جانی ومالی مصائب جو گزرے کسی دوسرے پر اس سے زیادہ کیا گزر سکتے ہیں' آبرو عزت کی مصیبت کے لیے صاحبزادیوں کو طلاق' حضرت زینب کو اونٹ سے گرا کر رسوا کرنا اور واقعہ افک پر ان کی انتہا کیا کسی امتی کو ان مصائب کے متعلق یہ خیال کرنے کا حق باقی رہ جاتا ہے کہ یہ خدا کے عتاب کا نتیجہ ہے' کہ حضور کے مصائب اس کی تسلی کے لیے کافی نہیں ۱۲)

ہاں! میں دور نکلا جا رہا ہوں۔ تو بات یہاں تک پہنچی تھی کہ جسے پتھر کے ٹکڑوں سے پتھرایا گیا تھا' اسی کو اختیار دیا گیا کہ وہ پہاڑوں سے اس کا جواب دے سکتا ہے اور بہ آسانی دے سکتا ہے' شاید یہ اختیار ان کو بھی نہیں' جو ان پر طیاروں سے گولے گراتے ہیں' جنھوں نے ان کو پھول سے بھی نہیں مارا تھا اور نہ اتنا ان کے بس میں بھی ہے جو ہولٹرز سے من من دو من کے گولے پھینکتے ہیں۔

کتنا جھوٹا غرور ہے' جن کو بم اور شل دیا گیا ہے۔ جب کہتے ہیں کہ ایسا کسی کو نہیں ملا' دیوانو! تم کو کیا ملا جو تم سے پہلوں کو مل چکا ہے اور جو چاہے اسے اب بھی ملتا ہے ہمیشہ ملتا رہے گا۔ لیکن تم نے جو کیا اور کر رہے ہو اسے دنیا دیکھ رہی ہے اب دیکھو! جس کو جبال ملے' ملک الجبال ملا' وہ اپنی اس قوت سے کیا کام لیتا ہے' جنھوں نے اس کو ہلکا کیا تھا' کیا ان پر ان کی زندگی کو وہ بھاری کرے گا' چاہتا تو یہ کر سکتا تھا اور اس کو حق تھا کہ جنھوں نے اس پر پتھراؤ کیا تھا ان کو سنگسار کرے' اس نے طائف سے نکل کر جو کچھ کہا تھا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا تھا' لیکن جنھوں نے اس کے ساتھ وہ سب کیا تھا جو وہ کر سکتے تھے شاید تم نے غور نہیں کیا اس میں جو کچھ ہے وہ اپنے لیے نہیں کہا تھا۔

پھر غور کرو! ان کے متعلق اس نے کچھ بھی کہا' جس قدر وہ نزدیک تھا اتنی نزدیکی جنہیں حاصل نہ تھی' جب ان کی آرزو نے نوح کا طوفان برپا کیا تو ان میں جو سب سے اونچا تھا' سمجھ سکتے ہو کہ وہ کیا کچھ نہ برپا کر سکا تھا اور اب کس بات کی کمی تھی جو چاہے اب وہ کر سکتا تھا لیکن اسی تاریخ نے' جس نے نوح کے طوفان' عاد کی آندھی' ثمود کے صیحہ [لے] شعیب کے رجفہ' موسیٰ کے دریا کے واقعات کو محفوظ رکھا ہے اس نے ریکارڈ کیا کہ پہاڑ کے فرشتے سے فرمایا جا رہا ہے۔

"میں مایوس نہیں ہوں کہ ان کی پشت سے ایسی نسلیں نکلیں جو اللہ ہی کی پوجا کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک اور ساجھی نہ بنائیں۔"

پہاڑ پانی ہو گیا' اس آواز نے آگ کو باغ بنا دیا جو مر رہے تھے جی گئے۔ جو ختم ہو گئے تھے پھر شروع ہو گئے اور ردعمل کے سلسلہ میں جو پیش آنے والا تھا' اس کا پہلا نقش یہ تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی اور جو عالمین کے لیے پیار لے کر آیا تھا' اس کی زندگی

[لے] (صیحہ' چیخ' رجفہ' زلزلہ قرآن مجید میں ان عذابوں کا ذکر کیا گیا ہے ۱۲)

میں اس واقعہ کی کوئی ندرت نہیں ہے' میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ جس سے لیا گیا تھا۔ جب ردعمل میں اس کو دیا جانے لگا تو کس عجیب ترتیب سے دیا گیا' شہادت ومحسوس سے پہلے غیب عطا ہوا۔ غیب میں پہلے ملاء اعلیٰ پر قابو دیا گیا۔ ملاء اعلیٰ کے بعد ملاء ادنیٰ پر قبضہ کرایا گیا۔ اس کے بعد کیا ہونا چاہیے۔ عقل کے لیے یہ باور کرانا آسان ہے کہ غیب اور نامحسوس سے تڑپ کر یکا یک یہ ترتیب محسوس اور عالم شہادت میں آ جائے؟ اگر ایسا ہوگا تو ابھی غیب کی اور بہت سی غیر مرئی ہستیاں' ایسی ہستیاں جنہیں گو سب نہیں دیکھتے لیکن سب میں ان کے دیکھنے والے موجود ہیں' کیا وہ اس کے قابو سے باہر رہ جائیں گی جس کو سب پر قبضہ عطا کیا گیا ہے!"مالکم کیف تحکمون"

جنوں سے ملاقات اور بیعت:

نہ کہا جاتا تو سوچا جاتا' سمجھا جاتا' مانا جاتا' لیکن جب کہا گیا اور صحیح روایتوں میں یقین کے ساتھ کہا گیا کہ تسخیر کا یہ سلسلہ اسی ترتیب کے ساتھ غیب سے شہادت کی طرف بڑھا اور شہادت تک تسخیری آثار اس عالم کی چیزوں سے گزر کر پہنچے' جن کو ان دونوں دنیاؤں کے درمیان برزخی واسطہ کی حیثیت حاصل ہے تو کیا عقل بھی اسی ترتیب کو نہیں ڈھونڈتی ہے۔ لوگوں نے بے پروائی کے ساتھ کیوں سنا۔ جب ان کو یہی سنایا گیا' صحیح حدیثوں میں ہے کہ ملک الجبال کے واقعہ کے بعد ہی نخلہ کے نخلستان میں اس برزخی تسخیر کا ظہور ہوا' اور ٹھیک ایسے وقت میں ظہور ہوا جو رات کی تاریکی کو دن کی روشنی سے ملانے میں واسطہ اور برزخ کا کام دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ صبح کا وقت تھا' کھجوروں کے جھنڈ میں فجر کی نماز کا قرآن گونج رہا تھا عین اس وقت

صَرَفْنَا اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ

"ہم نے تیری طرف جنوں کا ایک ٹولی پھیری تا کہ وہ قرآن سنیں' وہ چیخنے لگے۔

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ

ہم نے پڑھنے کی ایک عجیب چیز سنی جو سوجھ کی راہ بتاتی ہے۔

اور ٹھیک جس طرح کچھ نہیں ہوتا' لیکن شمع کے روشن ہونے کے ساتھ ہی بھانت بھانت کے کتنے کچھ پروانے جو نامحسوس تھے' محسوس ہونے لگتے ہیں۔ یہ بھی قرآن کی روشنی پر گرے اور پروانوں ہی کی طرح قربان ہو گئے۔ جنوں میں آواز بلند ہوئی۔

اٰمنّا بہ

(ہم نے اس کو مان لیا)

اور قبل اس کے کہ ''ویدوں'' کی طرح تبلیغی مہم روانہ ہو ''نا دیدوں'' کا یہ گروہ ان ہی نامحسوس علاقوں کی طرف تبلیغی مہم کے پہلے دستہ کی حیثیت سے روانہ ہو گیا۔

بہر حال مجھے تو اس وقت یہ دکھانا تھا کہ عمل کے بعد ردعمل کا سلسلہ کتنی استوار و محکم ترتیب کے ساتھ آگے بڑھا ہے۔ نخلہ کے جنوں کا واقعہ اگر بے چارے محدثین ہم تک نہ پہنچاتے' ان کے خوف سے نہ پہنچاتے جن میں جنوں ہی کا ایک جنی [۲۸] انکار کا جنون پیدا کرتا ہے تو خیال کر سکتے ہو کہ ملاء اعلیٰ سے ملاء ادنیٰ پر آ کر ہم غیبی وجود کے اس طبقہ سے یکا یک چھلانگ مار کر شہادت اور عالم محسوس میں کس طرح چلے آتے' واقعہ نہ بھی ہوتا تو عقل کا اقتضا تھا کہ اس کو ہونا چاہیے تھا' ارتقاء کی کڑیوں میں اگر کوئی کڑی نہیں بھی ملتی ہے تو ایمان لایا جاتا ہے کہ وہ ہو گی؟ بے جان مان لیا جاتا ہے کہ وہ تھی اور ضرور تھی' پھر اگر ہم نے ان کو جان کر مانا' اور قرآن کی قطعی روشنی' حدیث کی صحیح راہ نمائی میں مانا تو دیوانوں کو اکسا کر ابلہوں کا گروہ ہم پر کیوں ہنساتا ہے۔

مدینہ والوں سے پہلی ملاقات:

الغرض نخلہ کے نخلستان میں غیب کی آخری حد بھی ختم ہو گئی اب شہادت و محسوس کی سرحد شروع ہوتی ہے۔

مکہ معظمہ سے یہ گاؤں ایک رات کے فاصلہ پر واقع تھا' صبح ہو چکی تھی' دن نکلے مکہ کی طرف روانہ ہوئے' جس وقت مکہ کے قریب منیٰ کے میدانوں میں پہنچتے ہیں' قدرت اپنی عجیب کارفرمائیوں کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے' یہی منیٰ تھا' یہی حج کے مراسم تھے' کتنے موسم آئے اور کتنے گئے جب سے پھٹ کر پکارنے کا حکم ہوا تھا' اس دن سے شاید ہی کوئی موسم گزرا ہو جس میں لوگوں نے قبائل کے خیموں کے آگے:

یَا اَیُّھَا النَّاسُ قولوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا

''لوگو! بولو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے' بامراد ہو جاؤ گے۔''

---

۲۸ (قرآن میں ''ابلیس'' کے متعلق ''کان من الجن'' (وہ جنوں میں سے تھا) مذکور ہے ۱۲)

پکارنے والے کو پکارتا ہوا نہ دیکھا تھا اور جہاں یہ دیکھتے تھے' وہیں سب کے سامنے یہ بھی ہو رہا تھا کہ جس کی طرف لپکا جاتا تھا' وہی بھاگا جاتا تھا' جس کو بلایا جاتا تھا' وہی کتراتا جاتا تھا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس منفی عمل کا یہ حال تھا کہ جس کو جوڑا جاتا تھا وہ خود بھی ٹوٹتا اور دوسروں کو بھی پوری قوت سے توڑتا جاتا تھا' ایک بار نہیں بلکہ شاید ہر بار' جب پکار بلند ہوتی جس کا ذکر ہوا تو اسی کے ساتھ

يَا اَيُّهَا النَّاسُ لَاتَسْمِعُوْا مِنْهُ فَاِنَّمَا يَدْعُوْكُمْ اَنْ تَسْلِخُوْا اللَّاتَ وَالْعُزّٰى مِنْ اَعْنَاقِكُمْ وَحُلَفَائِكُمْ مِنَ الْجِنِّ.

"لوگو! اس کی نہ سننا' یہ تمہیں ادھر بلاتا ہے کہ لات اور عزیٰ اور ان بھوتوں کی اطاعت کا طوق اپنی گردنوں سے توڑ کر پھینک دو جو تمہارے دوست ہیں۔"

کا غوغا مچاتے ہوئے ابولہب پتھروں سے مارتا اور اتنا مارتا کہ

حَتّٰى اَدْمِيْ كَعْبَه

"ٹخنے خون آلود ہو جاتے۔"

مگر یہ منفی عمل کی گھڑیوں کا تماشا تھا' اب اسی عمل کا ردِ مثبت شکل میں شروع ہو چکا تھا' غیب اور اس کے سارے مدارج تسخیری قوت کے آگے جھک چکے تھے اور اب محسوس وشہادت کی حد شروع ہوتی ہے' پھر دیکھو' غیب میں جس طرح سب سے پہلے وہ دیا گیا تھا جو سب سے بڑا تھا۔ شہادت میں بھی اس کے قدموں پر سب سے پہلے جو گرے یا گرائے جاتے ہیں ان کا تعلق جمادات ونباتات یا حیوانات سے نہیں بلکہ ان سے ہے جو ان سب میں بڑا گنا گیا۔

انصار مدینہ کی پہلی ملاقات:

رات کا وقت ہے' چاند کی روشنی میں اونٹوں کے درمیان قبائل کے خیمے چمک رہے ہیں۔ پچھلے موسموں میں تقریباً ان میں سے ہر ایک نے جس کو دھکیلا تھا وہی ردِعمل کے ساتھ اب ان میں آتا ہے۔ کسی بڑے مجمع کی طرف نہیں بلکہ دس یا دس آدمیوں سے بھی کم کی ایک ٹولی پر نظر پڑتی ہے قریب آتے ہیں' پوچھا جاتا ہے' مَنْ اَنْتُمْ (تم لوگ کون ہو)

ٹولی والوں میں سے ایک کہتا ہے مِنَ الْخَزْرَجِ خزرج قبیلہ کے لوگ ہیں۔
''کیا تم بیٹھ سکتے ہو؟ تم سے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''؟ ہاں! کیوں نہیں جواب ملتا ہے
''کیا اللہ کی طرف آتے ہو؟ اللہ کے سامنے جھکتے ہو؟''

دس گیارہ سال تک اسی میدان میں' اسی موسم میں' کیا کچھ نہیں کہا گیا' کیا کچھ نہیں کیا گیا' لیکن کچھ نہیں ہوا۔ اسی میدان میں' اسی موسم میں' اسی ہوا میں' اسی فضاء میں آج چند لحہ میں یہ چند الفاظ زبان سے نکلتے ہیں' پھر دیکھئے' جس پر جس کے قدموں پر غیب گر چکا تھا ان ہی قدموں پر شہادت والے آج گرتے ہیں اور اس طرح گرتے ہیں کہ پھر کبھی نہیں اٹھیں گے۔

انہوں نے باہم ایک دوسرے سے کچھ کہا ایک لحہ یہ تھا اور دوسرا لحہ یہ تھا کہ جس کو سب نے لوٹایا تھا اس کے آگے یہی ٹولی لوٹ رہی تھی جو کچھ کہا جا رہا تھا' دہرا رہی تھی' خدارا بتاؤ کہ اگر یہ صرف عمل کا ردعمل نہیں ہے' تو اور کیا ہے دس سال تک مکہ والوں نے کیوں نہیں مانا اور دس منٹ بلکہ اس سے بھی کم مدت میں ان لوگوں نے کیوں مان لیا' کس کے بس میں ہے جو اسباب کی روشنی میں اس عقدہ کی گرہ کھول سکتا ہے' مکہ والوں میں کیا نہیں تھا جو ان میں تھا' غریب یہ تھے تو کیا وہ امیر تھے؟ باہمی خانہ جنگیوں سے یہ برباد تھے تو کیا وہ آباد تھے؟ بہرحال یہ چھ آدمی تھے' ان کا گھر وہاں تھا' جس کا زمین کے چالیس پچاس یا ساٹھ ستر کروڑ دلوں میں آج گھر ہے اور کیسا مضبوط اور کیسا مستحکم گھر ہے (نَوَّرَھَا اللّٰہ تعالیٰ وَحَمَاھَا)

نصرت وامداد کی آواز ان ہی کی زبانوں کی پہلی آواز تھی جو بغض وعداوت کے دہ سالہ مسلسل شوروہنگامے کے بعد ان چھ آدمیوں کے دل سے نکلی ہے' تاریخ نے اس کو نوٹ کرلیا اور ابد تک کے لیے جریدۂ عالم پر ان کا نام انصار ثبت کر دیا گیا۔

الغرض جو حرکت غیب میں پیدا ہوئی تھی آج شہادت میں آ گئی۔ اب یہ بڑھے گی' چڑھے گی' چڑھتی چلی جائے گی' اس کے نیچے انسان بھی آئیں گے۔ حیوان بھی آئیں گے۔ جمادات بھی آئیں گے الغرض وہ سب آئیں گے جو آ سکتے ہیں اور قطعاً آئیں گے' مگر جو آگے تھے وہ پیچھے ہوں اور جو پیچھے ہیں وہ آگے ہوں۔ ذرا اس صف کی ترتیب قائم ہونے دو پھر دیکھنا جو کچھ دکھایا جائے اور سننا جو کچھ سنایا جائے!

میں کہتا آ رہا ہوں کہ ماننے سے وہ گریز نہیں کرتا جس نے جان لیا۔ جس ہوا میں خوشبو بس چکی ہے اس کے سونگھنے کے بعد کوئی اس خوشبو کے ماننے سے انکار کر سکتا ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ کسی میں سونگھنے کی قوت ہی نہ ہو لیکن جس کا شامہ ماؤف نہیں ہے وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس ہوا میں خوشبو نہیں ہے یا وہ بدبو ہے؟

پھر جس میں "سچائی" کے احساس کا حاسہ موجود ہے جب "سچ" کو اس کا یہ حاسہ نگل چکا اب اس کے بعد اسی سچ کے اگلنے کی کیا صورت ہے جو اپنے اندر بھوک کو پا چکا کیا ممکن ہے کہ اس کے پانے کو وہ جھٹلائے زبان سے ممکن ہے لیکن دل سے کیسے جھٹلا سکتا ہے۔

پھر جب مکہ والوں نے جس کو دیکھا اس وقت جس کو دیکھا اس وقت سے دیکھا جب وہ ان میں سے بے باپ کا ہوا بے ماں کا ہوا انہوں نے اس کو جانا اس وقت سے جانا جب شہر کی صبح کو بیاباں میں چوپایوں کے ساتھ گزار کر شام کرتا تھا۔ انہوں نے اس کا تجربہ کیا اور اس وقت سے تجربہ کیا جب وہ اندر سے صرف امانت کی شعاعیں اور صداقت کی کرنیں ان کے اندر مسلسل جذب کر رہا تھا۔[۴۹] اس عجیب نظارہ کے وہی گواہ تھے جب انہی کے آگے مکہ کا سب سے بڑا غریب حجاز کا سب سے بڑا امیر کر دیا گیا لیکن ان ہی کے سامنے اس امیر نے

(۱) صلہ رحمی [۵۰] ۲۔ حمل کل ۳۔ کسب معدوم ۴۔ قری ضیف ۵۔ اعانت علیٰ نوائب الحق کے بھتے

---

۴۹ (اسی کا اتنا سخت اثر تھا کہ قیصر روم کے دربار میں آپ کے سب سے بڑے دشمن ابوسفیان سے جب آپ کی راست بازی کا حال خود قیصر نے پوچھا تو ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں جھوٹ بولنا چاہتا تھا لیکن اس خوف سے کہ جو لوگ میرے پیچھے کھڑے ہیں مجھے جھٹلا نہ دیں جھوٹ نہ بول سکا اور سچ کا اظہار کرنا پڑا کہ اب تک ہم میں سے کسی کو اس سے جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا واقعہ مفصل بخاری شریف میں ہے۔ یہ بیان اس وقت کا ہے جس وقت قیصر کو نامہ مبارک ملا اس سے پیشتر صفا کی پہاڑی پر جب منادی کی گئی اور مکہ کے قریباً ہر خاندان والوں کو پکارا گیا اور پوچھا گیا کہ تمہارا میرے متعلق کیا خیال ہے تو بالاتفاق آواز آئی "مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا" ہم لوگوں کو تمہارے متعلق سچائی کے سوا کسی اور بات کا کوئی تجربہ نہیں ہے ۱۲)

۵۰ (یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ کے اس ریویو سے ماخوذ ہے جس کا ذکر پہلے بھی آ چکا ہے کہ جب آپ غار حرا سے پہلی وحی کے بعد گھر آئے اور گھبراہٹ کا اظہار فرمایا اس وقت آپ کی پندرہ سالہ زندگی کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جو رپورٹ کی اس کے الفاظ یہ تھے صلہ رحمی کے معنی ظاہر ہیں۔ "حمل کل" کے معنی بوجھ اٹھانا یعنی یتیموں غریبوں بے کسوں کا بار اٹھاتے تھے۔

کسب معدوم کے معنی میں محدثین کا اختلاف ہے میرے خیال میں اس کا ترجمہ بے کاروں کو کار کرانا۔ بے روزگاروں کو روزگار سے لگا دینا ہے "قری ضیف" کے معنی مہمان نوازی إِعَانَتِ عَلَى مَصَائِبِ الْحَقِّ واقعی مصائب میں امداد دینا ۱۲)

ہوئے دھاروں میں سب کچھ بہا کر اپنے کو غریب کر لیا تھا اور ایسا غریب کر لیا تھا کہ "اس کے پاس سفر کے لیے گدھیا بھی نہیں" کے ساتھ اس کے ہم عصر امیروں نے ٹھٹھا کیا حالانکہ چاہتا تو اس گنج سے گنج اسی طرح گھسیٹ سکتا تھا کہ جس طرح اس کے شہر والے بلکہ گھر والے ۵۱ اپنی امارات سے غریبوں کی غربت میں اضافہ کر رہے تھے یا دولت کے اس آئینہ میں بدمستیوں کا تماشا کر رہے تھے' ان سب مشاہدات کے بعد انہوں نے حرا کے دعویٰ کی جانچ کے لیے جو کچھ کرنا چاہا' کرتے رہے۔ بغیر کسی وقفہ کے دس گیارہ سال تک کرتے رہے' انہوں نے دے کر دیکھا' لے کر دیکھا' جن جن شکلوں میں جن جن صورتوں کے ساتھ چاہا بغیر کسی روک ٹوک کے دیکھا۔ رگ رگ کو الگ کر کے دیکھا۔ ریشہ ریشہ کو جدا کر کے دیکھا' اس نے اپنے اندر کو باہر نکال کر سب کے سامنے رکھ دیا تھا وہ اس کو ٹٹولتے رہے' دلتے رہے' مسلتے رہے' گھستے رہے' رگڑتے رہے' مگر تجربات کے اس عریض وطویل سلسلہ کے بعد بھی ان کو' ان میں ہر ایک کو اس کے باطن میں کیا ہمیشہ وہی نہیں ملا جو وہ ظاہر کرتا تھا؟ بلاشبہ اس کو دیا گیا تب بھی وہ سچ تھا اور اس سے جب لیا گیا تب بھی وہ سچ ہی تھا۔

یقیناً اس سے زیادہ جانچا نہیں جا سکتا جتنا انہوں نے جانچا' اس سے زیادہ جانا نہیں جا سکتا' جتنا انہوں نے جانا۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ جنہوں نے بعد کو مانا' اس وقت انہوں نے کیوں نہیں مانا۔ آدمی کے دل کی سرشت انسانی قلب کی فطرۃ یہی ہے اور ہمیشہ رہے گی' لیکن اسی کے ساتھ شاید اس پر غور نہیں کیا گیا جو جانتا ہے' وہی مانتا ہے۔ پھر جس نے نہ جانا اگر اس نے نہ مانا تو اس نے کس کا انکار کیا؟ بلاشبہ ان کے دلوں نے جانا تھا' پھر اگر ان کی زبانوں نے نہ مانا تو یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ دلوں نے بھی نہ مانا تھا۔

کیا زبان دل ہے! یا دل زبان ہے؟ کاش ایسا ہوتا لیکن دنیا میں پھر "جھوٹ" کا گھونسلا کہاں بنے گا۔

"ظلم" کے نشہ میں جب مخمور ہو' "علو" کے مواد فاسد سے جب معمور ہو ماننے والے دل کا جب یہ حال ہوتا ہے' تو میرا نہیں دلوں کے بنانے والے کا بیان ہے کہ اس وقت دل مانتا ہے اور زبان انکار کرتی ہے۔

۵۱ (عرب عام طور پر سود خواری میں مبتلا تھے اور مکہ کے سود خواروں میں سب سے بڑا سود خور خود ابولہب تھا ۱۲)

ان کے دلوں نے اس کو مانا تھا' مکہ والوں نے جانا تھا' ان کے دلوں نے اس کو قطعاً مانا تھا مگر جو بڑا ہے اور بڑا ہی رہے گا اور جو چھوٹا ہے اس کے سامنے بڑا اپنی بڑائی سے دست بردار نہیں ہوسکتا۔ "علو" اور "سربلندی" کے اس نشہ پر ابھی کوئی ترشی نچوڑی نہیں گئی تھی' اگرچہ قریب ہے کہ نچوڑی جائے پھر اگر بدمستی کے اس عالم میں ان کی زبانیں لڑکھڑا لڑکھڑا کر ان کے دلوں سے ٹکراتی تھیں تو پندار کے متوالوں کو کب اس بدحالی میں نہیں پایا گیا ہے؟

تَنَازَعْنَا نَحْنُ وَبَنُو عَبْدِمُنَافٍ اَطْعِمُوْا فَاَطْعَمْنَا حَمَلُوْا تَحَمَّلْنَا اَعْطُوْا فَاَعْطَیْنَا حَتّٰی اِذَا تَحَاذَيْنَا عَلَى الرُّكَبِ وَكُنَّا كَفَرَسِيْ رِهَانٍ مِنَّا نَبِيٌّ يَاْتِيْهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ فَمَتٰى نُدْرِكُ مِثْلَ هٰذَا وَاللّٰهِ لَا نُؤْمِنُ بِهٖ اَبَدًا وَلَا نُصَدِّقُهٗ

ہم میں اور عبد مناف کے لڑکوں میں مقابلہ ہوا' انہوں نے کھلایا تو ہم نے بھی کھلایا' انہوں نے سوار کرایا تو ہم نے بھی سوار کرایا' انہوں نے دیا تو ہم نے بھی دیا پھر جب ہم نے ان کے کندھے سے کندھا ملا لیا اور گھوڑ دوڑ کے میدان کے دو برابر گھوڑوں کے مانند ہو گئے' تو اب عبد مناف والے کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے بھلا ہم ایسا کہاں سے پائیں' قسم خدا کی ہم اس کو نہیں مان سکتے' ہم اس کی تصدیق نہیں کر سکتے۔

دیکھو! ابوجہل کا مشہور تاریخی اقرار' کیا اس کا اقرار نہیں ہے کہ اپنے جہل اور ہٹ دھرمی کی تہ میں "بڑائی" اور "علو" کے خمار کے سوا وہ خود بھی کچھ نہیں پاتا تھا۔

اور جہاں بعضوں میں یہ تھا کچھ ایسے بھی تھے جن میں جاننے کے بعد اوہام و وساوس کے بھپارے اٹھ اٹھ کر ان کو ماننے سے روک لیتے تھے۔

آخر سادہ لوحوں کا وہ گروہ جن تکذیب کرنے والوں کی یہ تصدیقیں مسرت کے ساتھ سنایا کرتا ہے کہ جن کو ہم مانتے ہیں ان کے متعلق کارلائل بھی یہ جانتا تھا۔

"وہ زندگی کا ایک جگمگاتا ہوا نور[52] جسے قدرت نے اپنے سینے سے پھاڑ کر دنیا کو روشن کرنے کے لیے چمکایا تھا' وہ جو جہاں کے پیدا کرنے والے کے حکم سے جہان کو روشن کرنے کے لیے آیا تھا' موجودات کا عظیم مینار ہیبت ناک مگر تابناک راز اس کی آنکھوں کے سامنے چمک اٹھا' اس کی اپنی روح کو جو خدا کی الہامی قوت اس کے اندر موجود تھی' اس نے اس کو جواب دیا۔"

---

[52] (کس قدر عجیب ہے حدیث نور کی تصدیق ایک منکر کے قلم سے ہو رہی ہے سچ ہے والفضل ما شھدت بہ الاعداء ۱۲)

اور کوئی آرتھر نامی ڈاکٹر بھی اس کو اس قدر پہچانتا تھا۔

''محمد صاحب گہرے سے گہرے معنوں میں ہر زمانہ کے لیے ہر حیثیت سے سچے سے سچے زیادہ سے زیادہ صداقت رکھنے والی روحوں میں سے تھے۔ وہ صرف عظیم اور برتر آدمی نہ تھے بلکہ بنی نوع انسان میں جو بڑے سے بڑے یعنی سچے سے سچے آدمی کبھی پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ایک تھے۔

اتنا جاننے کے بعد اتنا پہچاننے کے بعد خود ہی بتاؤ کہ انہوں نے اس کو مانا کیوں نہیں جو ان کے ماننے کے لیے بھی آیا تھا جس طرح دوسروں کے لیے اس کا ماننا ضروری تھا۔

مگر نہیں جس قدر انہوں نے جانا تھا اگر اسی پر قائم رہتے تو ماننے پر وہ پھر مضطر ہو جاتے۔ جیسا کہ ماننے والے مضطر ہوئے' لیکن وہ ''علم'' کے نشان زدہ حدود پر نہیں ٹھہرے۔ ''علم'' کے ساتھ انہوں نے ''وہم'' کو شریک کیا' ''وہم'' نے ان کو ''ظلم'' کے کنارے پر لا کر پھسلا دیا' دیکھو! وہ محرومی کے گڑھوں میں منہ کے بل گرے ہوئے ہیں' انہوں نے جانا مگر جاننے کے بعد ظلم کے اندھیرے نے ان بدبختوں کو ماننے سے محروم رکھا' انہوں نے وسوسہ پکایا اور بولے کیا ضرور ہے کہ جس کا ''دل'' ایسا ہے اس کا ''دماغ'' بھی ایسا ہو!

جن کے سامنے ''مکہ'' بھی گزر چکا اور ''مکہ'' میں جو کچھ گزرا وہ بھی گزر چکا۔ مدینہ بھی گزر چکا اور مدینہ میں جو کچھ گزر چکا' جب ان میں شک کا بخار اٹھا اور اس وقت تک اٹھ رہا ہے تو جو ابھی ''مکہ'' میں تھے' مدینہ ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا' کیونکہ اچنبھا ہوتا ہے اگر اوہام کی تاریکیوں میں پھنس کر انہوں نے ٹھوکر کھائی اور باوجود جاننے کے تجربات و مشاہدات کی اس تیز روشنی میں پہچاننے کے ماننے سے ہچکچاتے رہے' ان کے ''علم'' میں بھی ''ظلم'' ہی کی ''ظلمت'' شریک ہوئی اور جو چیز سامنے آ چکی تھی پھر اس پر پردہ پڑ گیا۔

دارالندوہ کا آخری فیصلہ اور ہجرت:

حالانکہ عمل کا ردعمل شروع ہو چکا تھا اور اس کا طوفان غیب سے سینہ تانتا ہوا شہادت کے ساحل سے ٹکرا رہا تھا' مگر انہوں نے اس کا اندازہ نہیں کیا اور جس طرح اب تک اس سے ٹکرا رہے تھے پھر ٹکرانے پر آمادہ ہوئے۔

''منیٰ'' کے میدان میں تسخیری قوت کا جو مظاہرہ ہوا تھا' اس نے اس میں اور ہلچل پیدا کی' ان کو اپنی بڑائی کی بربادی کا اندیشہ ہوا' اپنے ''ضمیر'' کے صادق احساس پر اسی قسم کے اوہام کی پٹی باندھ کر وہ اندھے بنے اور کونے [۵۳] کے جس پھینکے ہوئے پتھر پر اس لیے پہلوں نے تعجب کیا تھا کہ جس پر وہ گرتا ہے وہ بھی چور ہو جاتا ہے اور جو اس پر گرتا ہے وہ بھی چکنا چور ہو جاتا ہے۔ سب مل کر آخری دفعہ ٹوٹ کر گرے۔ جمہوریہ قریش کا مشہور اور منحوس [۵۴] ریزولیوشن پاس ہو گیا۔

کس قدر عجیب ہے وہی جو ابو طالب کی گھاٹی میں جس کے پانی کو روک سکتے تھے جس کے کھانے کو روک سکتے تھے کہ اس وقت ان کو اس کی اجازت تھی کہ وہ ردعمل نہیں بلکہ عمل کا زمانہ تھا لیکن آج دیکھو! ردعمل کے زور کو دیکھو کہ آج وہی کھڑے ہیں' مکہ کے ہر گھر کے سورما کھڑے ہیں' کھنچی ہوئی تلواریں لیے کھڑے ہیں مکہ سے میل دو میل کسی ایسی گھاٹی کی ناکہ بندی کے لیے نہیں کھڑے ہیں کہ جس میں پہنچنے کے لیے بیسوں راستے اور درے ہیں' بلکہ ایک مختصر سے گھر کے اندر دروازے پر کھڑے ہیں' لیکن جس کے پانی بلکہ جس کے خادموں کو پانی اور کھانے کو متعدد راہوں والی گھاٹی میں روک سکتے تھے آج خود اس کو روکنے پر قادر نہ ہو سکے' جاگ رہے تھے' لیکن سوئے ہوئے تھے' دیکھ رہے تھے' لیکن نہیں سوجھتا تھا' جس کو خاص سب کچھ دیا جا چکا تھا اس کی جان تو خیر اب اس کے قدم کی خاک بھی اپنے ہاتھوں اپنے سر پر نہیں مل سکتے تھے۔ جب تک وہی نہ مل دے۔ [۵۵]

---

[۵۳] (زبور کی اس پیش گوئی کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرتؐ کو کونہ کے سرے کا پتھر قرار دیا گیا ہے اور اس کی پیش گوئی کی گئی ہے جو اس پر گرے گا وہ بھی چور ہو گا اور جس پر یہ گرے گا اس کو بھی چکنا چور کرے گا)

[۵۴] (یعنی قید و جلاوطنی کی رائے کو مسترد کر کے طے کیا گیا جمہوریہ کی ہر پارٹی (قبیلہ) سے ایک آدمی اس مجمع میں شریک ہو جو اندھیرے میں ایک دفعہ مل کر آنحضرتؐ کا کام (العیاذ باللہ) تمام کر دے تاکہ کسی ایک پر ذمہ داری عائد نہ ہو ۱۲)

[۵۵] (آنحضرتؐ اپنے بستر مبارک پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو سلا کر جب گھر سے باہر نکلے تو کافروں کا جو گروہ گھر کو گھیرے ہوئے تھا۔ ان کے سروں پر خاک ڈالتے ہوئے نکل گئے ۱۲)

سفرِ ہجرت کا آغاز اور اس کے واقعات:

جس کے آگے "غَیب" جھک چکا تھا "شہادت" جھک چکی تھی "مَلاءِ اعلیٰ و اَدنیٰ" جھک چکے تھے "جِنّ" جھک چکے تھے "اِنس" جھک چکے تھے۔ دل ڈھونڈتا ہے کہ اس کے آگے جمادات بھی جھکیں نباتات بھی جھکیں حیوانات بھی جھکیں درند بھی جھکیں دوند بھی جھکیں پرند بھی جھکیں الغرض جو بھی جھک سکتے ہیں سب جھکیں اور کیا یہ صرف عقل ہی کا تقاضا ہے جن جن کے کان ہیں سنیں۔

اِلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ (میری طرف تشریف لائیے اے اللہ کے رسول) "حِرا" کی جمادی چٹانیں چلا رہی ہیں۔ "ثور" کا پہاڑ بھی یہی پکار رہا ہے۔ آخر وہی مسعود ہوا۔ جو محروم تھا "حرا" میں نہیں جہاں رہ چکے تھے بلکہ نئے "غارِ ثور" کو یہ سعادت نصیب ہوئی اور کیا صرف بھی سنایا گیا۔ کیا اسی کے ساتھ یہ بھی نہیں دیکھا گیا کہ اسی غار کے دہانہ پر جس میں ملائکہ کا مسجود تھا قدرت کا مقصود تھا ہرے بھرے[۵۲] درختوں کی ڈالیاں سربسجود ہیں۔ اس "نباتاتی" وجود کے بعد "حیوانی" قوتوں کو "دوندوں" کی شکل میں بھی "پرندوں" کی شکل میں بھی محوِ نیاز و مصروفِ کار پایا گیا جلیل اصحابِ رسول اللہ زید بن ارقمؓ مغیرہ بن شعبہؓ انس بن مالک سب ہی اس کے راوی ہیں۔

اسی غار میں سلیمان علیہ السلام کی چیونٹیوں کی طرح غریب مکڑیوں نے سلیمان علیہ السلام کے محبوب "خلوِ محرم" صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ کے لیے وہ گھر پیش کیا جو تمام گھروں میں سب سے زیادہ کمزور تھا لیکن آج دنیا کا یہی "اَوْہَنَ الْبُیُوْتِ" پھسپھسا گھر خدا جانے کتنے سنگین قلعوں کی بنیاد قرار پایا اس کے بعد اس گھر کے بعد "دہلی" میں "آگرہ" میں "درہ دانیال" میں "جنوب" میں "شمال" میں یہ جولال اور پیلے سفید و زرد قلعے بنے اور انشاء اللہ بنتے چلے جائیں گے ان تمام قلعوں میں سب سے پہلا قلعہ کیا کمزور مکڑیوں کا یہی کمزور جالا نہ تھا؟ کون کہہ سکتا ہے کہ آج اگر یہ نہ ہوتا تو اس کے بعد جو کچھ ہوا ہو سکتا تھا چھوٹے کو بڑے بنانے والا بڑوں کو چھوٹا بنانے والا ہمیشہ یہی کرتا رہا ہے کرتا رہے گا۔

---

۵۲ (زرقانی نے قسم بن ثابت بن حزم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ ببول یا مدار کے درخت تھے عنکبوت اور غار پر درخت کی شاخوں کے جھکنے کا ذکر امام احمد بن حنبل کی مسند اور مسند بزار کی حدیثوں میں بھی ہے ۱۲)

فَسُبْحَانَ اللّٰہِ جَلَّتْ عَظَمَتُہٗ اور کون کہہ سکتا ہے کہ جن حماموں' (کبوتروں) کی حمایت دنیا کی اسلامی طاقتوں کا آج متفقہ فیصلہ ہے۔ حرم کعبہ کے یہ کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے نہیں ہیں جس نے ان طاقتوں کے پیدا کرنے والے کی بھی کبھی حمایت کی تھی' جو جانتے ہیں وہ یہی کہتے ہیں پھر میں ان سے کیا پوچھوں' جو نہیں جانتے ہیں اور سچ یہ ہے کہ جو سب کے لیے تھا "عالمین" کی اس رحمت کے لیے اگر سب ہو رہے تھے' سانپ [۵۸] اور سانپ کے زہر اس کے لب ودندان کی جنبش سے بھاگتے ہیں۔ زمین اس کے اشارہ کے حکم سے سراقہ کے گھوڑے کی ٹانگوں کو نگلتی ہے۔ ام معبد کے خیمہ کی بانجھ بکری کا تھن دودھ سے بھرتا ہے' جہاں اترنا تھا اور جہاں سے اترنے کے بعد پھر حشر ہی میں اٹھنا تھا' اس کو بے زبان اونٹنی پہچانتی ہے۔ تو بتاؤ کہ آخر عقل اس کے سوا کیا سوچ سکتی ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا. جب "اول" نے "ثانی" [۵۹] سے کہا اس ثانی نے کہا جو زندگی میں اس کا ہر بات میں "ثانی" تھا اور مرنے والے کے بعد بھی "ثانی" ہے تو کیا یہ واقعہ نہ تھا صرف طفل تسلی تھی حالانکہ جس نے کہا نہ وہ طفل تھا اور جس کو کہا گیا وہ بھی طفل نہ تھا اللھم صلی علیه وسلم وارض عن صاحبه

جب وہی ہوا' جس کو ہونا چاہیے' تو تم مبہوت ہوئے' پھر کیا تم چاہتے ہو کہ وہ ہو جس کو نہیں ہونا چاہیے' یا جو نہیں ہو سکتا تم کو کسی غریب بکری اور مسکین اونٹنی پر حیرانی ہے' پھر سر پیٹو گے' کیا اپنے بال نوچو گے؟ جب اس کے قدموں پر اس کے خادموں اور ادنیٰ خادموں کی جوتیوں پر عرب نثار ہوگا' عجم نچھاور ہوگا' کسریٰ گرے گا' قیصر جھکے گا۔

---

۵۷ (علامہ زرقانی محدث جلیل نے اس پر بحث کی ہے کہ "غار ثور" کے دہانہ پر کبوتر کے جس جوڑے نے انڈے دے کر ان کو سینا شروع کیا تھا' حرم کے لاکھوں کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں)

۵۸ (یہ سارے واقعات سفر ہجرت میں پیش آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جس سوراخ کو پاؤں کے انگوٹھے سے بند کیا تھا اس میں سانپ تھا اس نے کاٹ دیا' آنحضرتؐ نے لعاب دہن لگا دیا' تکلیف جاتی رہی اور اب تک صدیقی خاندانوں میں اس کا نشان پایا جاتا ہے' محدث جلیل شوق نیموی نے اپنے پاؤں میں اس نشان کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح قریش کے اعلان کردہ انعام کے لالچ نے سراقہ بن جعشم بدو کو آنحضرتؐ کے تعاقب پر آمادہ کیا' لیکن اس کا گھوڑا تین دفعہ زمین میں دھنسا پھر امان مانگ کر سامنے آیا' ام معبد کے خیمے میں ایک بانجھ بکری بندھی تھی ام معبد کی اجازت سے اس کا دودھ نکالا گیا حضورؐ نے بھی پیا اور آپ کے رفقاء نے بھی' یہ سارے واقعات بخاری اور حدیث وسیر کی کتابوں میں موجود اور مشہور ہیں ۱۲)

۵۹ (غار ثور میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ آنحضرتؐ جب روپوش تھے اور قریش کے لوگ تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے اس وقت حضرت ابوبکرؓ گھبرا گئے اور آنکھ سے آنسو بھی نکل پڑے' لیکن آنحضرتؐ نے کہا "مت گھبراؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے" فرما کر ان کی تسلی کی' قرآن نے اس قصہ کو بجنسہ بیان کیا ہے اور اس آیت میں حضرت ابوبکرؓ کو ثانی اثنین دو کا دوسرا فرمایا گیا ان ہی واقعات کی طرف اشارہ ہے ۱۲)

اور دیکھو یہ سب تو ہو بھی چکا اور جو نہیں ہوا ہے وہ بھی ہو کر رہے گا یہاں بھی یہی ہوگا وہاں بھی یہی ہوگا۔ جس صحیح حدیث میں ہے کہ

اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنِہٖ تَحْتَ لِوَائِیْ یَوْمَ القیامۃ (صحاح)

آدم اور جو آدم کے بعد ہیں سب قیامت کے دن میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

تو کیا اسی صحیح روایت میں یہ بھی نہیں ہے۔

لَایَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ لَابَیْتَ مَدَرٍ مِنْہُ وَلَادَبَرٍ اِلَّا دَخَلَہُ الْاِسْلَامُ بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَذِلِّ ذَلِیْلٍ. مسند احمد

روئے زمین پر کوئی گھر یا کوئی خیمہ ایسا نہیں باقی رہے گا جس میں اسلام داخل ہو کر نہ رہے جو عزت سے چاہے گا وہ عزیز ہو کر، جو ذلت سے چاہے گا وہ ذلیل ہو کر۔

جس کا ذکر[60] بلند کیا گیا ہے، بلند کرنے والا اپنے اس نور کی روشنی کو پوری کر کے رہے گا "وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ"

سفر ہجرت میں سراقہ سے گفتگو:

پھر یہ نہ کہو کہ جو کچھ دیکھا گیا ہونے کے بعد ہی دیکھا گیا، حالانکہ یہی چٹیل میدان ہے جہاں دیکھنا تو کیا معنی سوچا بھی نہیں جا سکتا، لیکن جو بات سوچی نہیں جا سکتی ہونے سے پہلے دیکھی گئی اور اس یقین کی روشنی میں دیکھی گئی کہ کہا جا رہا تھا اور بغیر کسی تذبذب کے اس کو کہا جا رہا تھا جس کا گھوڑا دھنس گیا تھا، ہنستے ہوئے امان عطا فرمانے کے بعد اسی کو فرمایا جاتا ہے۔

کَیْفَ بِکَ اِذَا لَبِسْتَ سُوَارَیْ کِسْرٰی

(سراقہ تیرا کیا حال ہوگا جب تو کسریٰ کے کنگن پہنے گا)

چکرا گیا، مدلجی دہقان، سراقہ بن جعشم چکرا کر پوچھنے لگا۔

اَکِسْرٰی فَارِسُ؟

(کیا ایران کا کسریٰ؟)

---

[60] (آیت رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا) وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (اللہ اپنی روشنی کو پوری کر کے رہے گا نہ ماننے والے چاہے جتنا بھی اسے ناپسند کریں ۱۲)

پھر اور کون

هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا يَكُوْنَ كِسْرٰى بَعْدِهٖ وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ [۶۱] ثُمَّ لَا يَكُوْنُ قَيْصَرُ بَعْدَهٗ. (صحاح)

(کسریٰ ہلاک ہو گیا' اس کے بعد کسریٰ نہ ہو گا پھر کچھ دن بعد' قیصر بھی یقیناً ہلاک ہو گا پھر اس کے بعد قیصر نہ ہو گا)

کے اعلان کرنے والے یتیم ابی طالب نے (سلام ہو ان پر صلوٰۃ ہو ان پر) اس وقت جواب دیا' جب قدید کے ریگستان میں قرض کی خرید ہوئی ایک اونٹنی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا' پھر جب ہونے کے بعد اسی واقعہ کو مدینہ کی مسجد میں اس طرح دیکھا گیا کہ وہی تاج [۶۲] جو سونے کی زنجیروں میں بندھا ہوا' کج کلاہ ایران کے سر پر لٹکتا رہتا تھا' اسی مدلجی دہقان کے سر پر رکھا ہوا ہے' جواہر نگار کمر بند اس کی کمر سے باندھا گیا ہے' زیور پہنائے گئے ہیں تو کرہ زمین کا جو سب سے بڑا بادشاہ [۶۳] تھا' کتنی پستی کے لہجہ میں کہہ رہا تھا' سراقہ ہاتھ اٹھا اور بول اللہ اکبر' اسی کے لیے ساری ستائش ہے جس نے کسریٰ سے چھینا اور مالک بدو کے بیٹے اس سراقہ کو پہنایا ''جو بنی مدلج کے گنواروں کا ایک گنوار ہے۔'' فاروق اعظمؓ بھی اس کے ساتھ اللہ اکبر اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے جاتے تھے۔

بہر حال قریش کا آخری منصوبہ اسی خاک میں مل گیا جو ان کے سروں پر پڑی ہوئی تھی ''مکی'' زندگی ختم ہو گئی' اس زندگی میں جو کچھ دکھانا تھا' جن باتوں کا تجربہ کرانا تھا' جس کی گواہیاں مہیا کرنی تھیں' سب کام پورا ہو گیا' بڑے سکون' انتہائی ثبات' کامل استقامت سے پورا ہوا۔

---

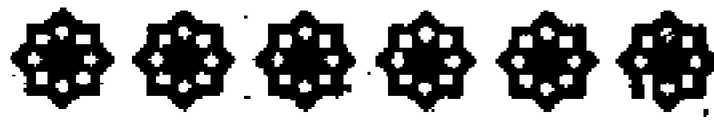
۶۱ (حدیث کے الفاظ قابل غور ہیں' ایرانی حکومت کی بربادی کا فیصلہ اسی وقت کر دیا' لیکن قیصر کے متعلق ھَلَکَ نہیں بلکہ لَیَھْلِکَنَّ کا لفظ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تمدن کی موت اتنی قریب نہ تھی جتنی مشرق کی اور یہی واقعہ بھی ہوا۔۱۲)

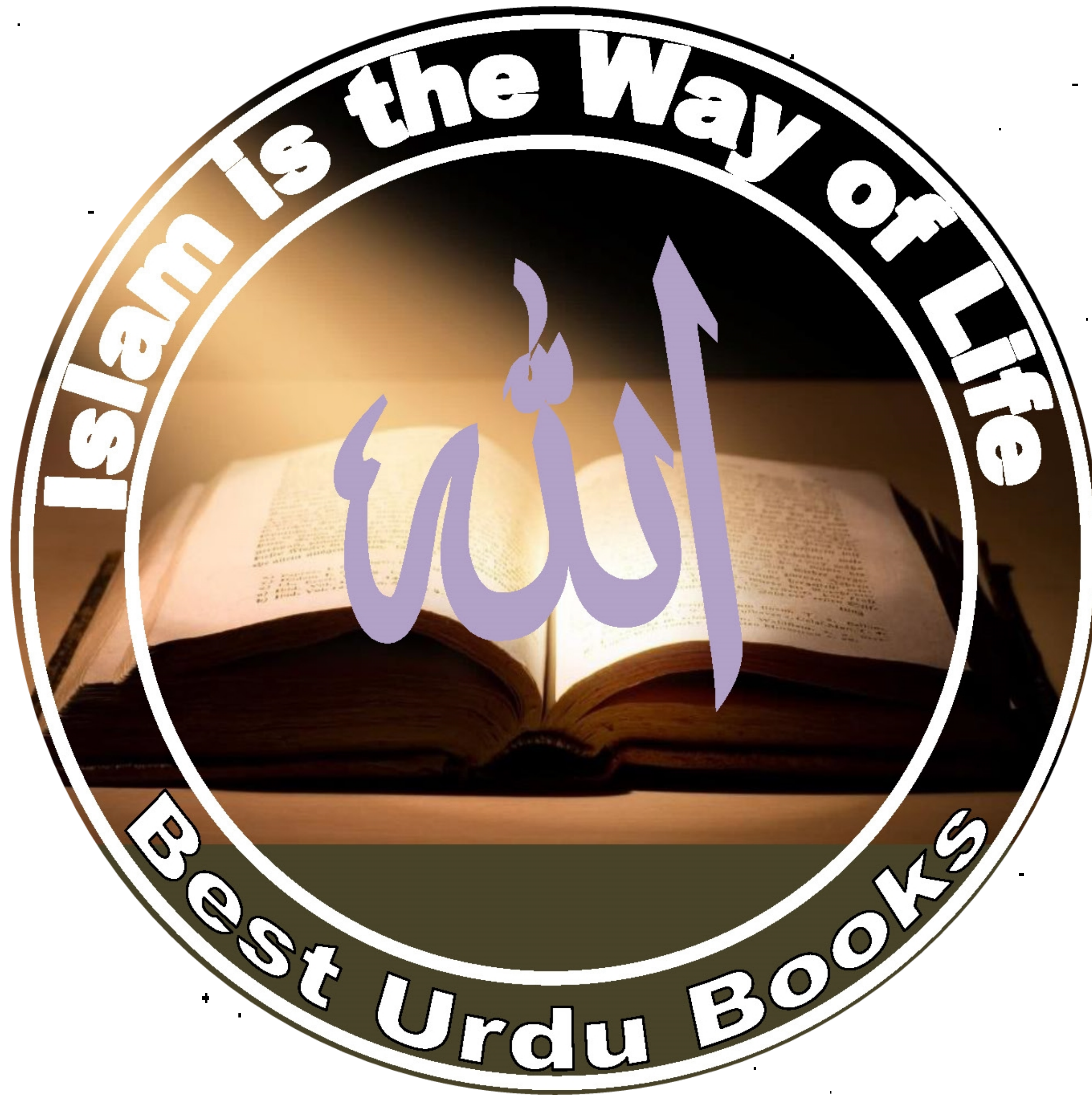
۶۲ (کہا جاتا ہے کہ سونے اور جواہرات کے بوجھ سے کسریٰ کا تاج اس قدر وزنی ہو گیا تھا کہ سر پر رکھا نہیں جا سکتا تھا' بلکہ سر ہی کو اس میں داخل کیا جاتا تھا' تاج زنجیروں سے چھت میں لٹکا رہتا تھا' ۱۲)

۶۳ (یہ مبالغہ نہیں بلکہ واقعہ ہے چھٹی صدی عیسوی میں دنیا کی سیاسی قوتوں کا مرکز دو قوتوں میں منقسم ہو کر رہ گیا تھا۔ سارا مشرق کسریٰ ایران کے اور سارا مغرب روم کے زیر اثر تھا اور یہی دونوں قوتیں باہم کش مکش کر رہی تھیں کہ اسلام ظاہر ہوا اور خلافت فاروقی میں دونوں قوتیں برباد ہو گئیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی قوت تمام عالم کی سب سے بڑی قوت ہو گئی ۱۲)

اور دیکھو کہ اس زندگی کے ختم ہونے کے ساتھ جیسا کہ میں نے کہا تھا جو آگے تھے پیچھے ہو گئے اور جو پیچھے تھے آگے ہو گئے' مدینہ ایمان سے بھر گیا حالانکہ وہاں کے لوگ بعد کو آئے۔

لیکن جن میں وہ خود آیا تھا' بخت کی کوتاہی دیکھو کہ ان میں اکثروں کو اب تک ہوش نہیں آیا کہ بڑائی کے نشہ میں متوالے ہیں۔ کچھ شکوک کی چادر اپنے ایمانی احساس پر ڈالے ہیں' دل کے متعلق بالکل اطمینان ہے' لیکن دماغ سے ان کوتاہ نظروں کا دماغ کچھ بدگمان ہے۔





بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدنی زندگی

جن کوتاہ بینوں نے ''دل'' کا اقرار کیا تھا لیکن دماغ پر ان کو اب تک شک تھا اب ان کی ہی تنگ نظروں کے لیے دوسری زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ جس میں دل سے زیادہ ''دماغ'' ہی کی نمائش ہو گی تا کہ وہ وہمی شوشہ بھی مٹ جائے جس کی آڑ میں جاننے کے بعد نہ جاننے کے لیے چھپنے والے چھپ رہے ہیں۔

اور دیکھو کہ دماغی تجربات بینہ کی اسی کشمکش سے وہ ترشی بھی نچوڑی جائے گی جس سے ان خود بینوں کا نشہ پھاڑا جائے گا' پھٹ جائے گا' جن کے پاؤں ''سربلندی وعلو'' کے خمار کے ہاتھوں جاننے کے بعد بھی ماننے سے اب تک ڈگمگا رہے ہیں تا کہ حجت پوری ہو۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

جو مرنا چاہے وہ کھلے بندوں سب کچھ دیکھ کر مرے اور جو جینا چاہے وہ بھی کھلے بندوں سب کچھ دیکھ کر جیئے۔

مدنی زندگی کے شروع میں جو یہ دکھایا گیا کہ هَوَ اِنِّي عَلَى النَّاسِ[۶۴] کے فریادی کو ''الناس'' اور ''نَاسُ'' کے ساتھ جو کچھ ہیں' سب پر اس کو وزن بخشا جا رہا ہے' یا طائف کی گلیوں میں جو رد کیا گیا تھا' سلع پہاڑ[۶۵] کے دامن میں سب اسی پر رد کیے جا رہے ہیں' بھوکوں کے لیے روٹی لے کر دوڑے آتے ہیں۔ پیاسوں کے لیے پانی لے کر دوڑتے آتے ہیں' گاتے ہیں' بجاتے ہیں' باہم ایک دوسرے کو للکارتے ہیں' ابھی ابھی جس کو جمادی چٹانیں هَلُمَّ اِلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰه

۶۴ (طائفی دعا کا وہی ٹکڑا ہے جس میں آنحضرتؐ نے اپنی بیکسی کے متعلق فرمایا ۱۲)

۶۵ (شروع میں بتایا گیا تھا کہ مدینہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے جس کا ذکر الیسع نبی کی کتاب میں بار بار آیا ہے اور آئندہ الفاظ بھی حضرت الیسع علیہ السلام کی پیش گوئی ہجرت سے ماخوذ ہیں ۱۲)

کے ساتھ پکار رہی تھیں' اسی کو انسانی زبانیں آگے آگے بڑھ کر ٹھیک اسی طرح یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلُمَّ اِلَیَّ الْقُوَّۃِ وَالْمَنَعَۃِ [۶۶] (اے اللہ کے رسول زور اور حفاظت کی طرف آیئے) عرض کرتے ہوئے جان حاضر کرتے ہیں تو مدینہ کا نہیں؟ بلکہ قرن الثعلب کے موڑ پر طائف سے نکلتے ہوئے جس عمل کا ردعمل ملاء اعلیٰ سے شروع ہوا تھا یہ اسی تسخیری قوت کا ظہور ہے جو مکہ میں بھی ظاہر ہوا' ثور میں بھی ظاہر ہوا' ثور سے باہر نکلنے کے بعد بھی ظاہر ہوا' قبا میں بھی ظاہر ہوا [۶۷] جہاں خالق کا جو دروازہ مخلوقات کے لیے بند تھا' صدیوں کے بعد پہلی دفعہ قبا کی مسجد بنا کر کھولا گیا تا کہ جس کسی کو جہاں کہیں زمین پر قابو بخشا جائے پہلا کام یہی کرے اور اب مدینہ میں بھی اسی ردعمل کا ظہور ہو رہا ہے' آئندہ ہوتا رہے گا' اسی کا ظہور کوفہ میں بھی ہوگا' دمشق میں بھی ہوگا' بغداد میں بھی ہوگا' غرناطہ اور قرطبہ میں بھی ہوگا' قاہرہ میں بھی ہوگا' غزنی میں بھی ہوگا' دہلی میں بھی ہوگا اور کیا بتاؤں کہ کہاں کہاں ہوگا کب تک ہوگا' بلکہ سچ یہ ہے کہ ابد تک اب تو صرف اسی کا ظہور ہے' اسی کی نمود ہے' اس لیے ''مدنی زندگی'' کے اصلی عناصر یہ واقعات نہیں ہیں بلکہ یہ تو مکہ ہی کے آثار ہیں جنہیں تم اب مدینہ میں دیکھ رہے ہو' بلکہ مدنی زندگی میں تم کو وہ باتیں تلاش کرنی چاہئیں جن میں ''دل'' سے زیادہ ''دماغ'' کا ''اخلاق'' سے زیادہ ''عقل'' کا تجربہ ہو۔

''مکہ'' میں جس طرح دیکھا گیا تھا کہ اس دل سے بہتر کوئی دل نہیں۔ اسی طرح ان باتوں کا مطالعہ ''مدینہ'' میں کرو جن کو دیکھ کر کہا جائے کہ اس ''دماغ'' سے بہتر کوئی ''دماغ'' نہیں۔

بناء مسجد وصفہ:

ظاہر ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے کام یہ کیا گیا کہ مسجد نبوی بنائی گئی اور اس کے ساتھ صفہ [۶۸] کا مدرسہ بنایا گیا' لیکن کیا صرف مسجد بنائی گئی اور مدرسہ بنایا گیا' مسجد اور مدرسہ کون

---

۶۶ (یہ الفاظ انصار کے سردار اس وقت فرما رہے تھے جب آنحضرتؐ کا داخلہ مدینہ منورہ میں ہو رہا تھا)

۶۷ (آنحضرتؐ نے پہلی مسجد قبا ہی میں بنائی تھی ۱۲)

۶۸ (صفہ کے معنی چبوترے کے ہیں' باہر کے غریب الوطن نومسلموں کے لیے ایک چبوترا بنا کر چھپر ڈال دیا گیا تھا اسی کا نام صفہ تھا اس میں یہ لوگ قرآن اور سنت کی تعلیم حاصل کرتے تھے' کھانے پینے کا بندوبست عام ارباب خیر اور خود رسول اللہؐ فرماتے تھے' طلبہ کی تعداد سو تک بھی پہنچ گئی تھی' افسوس کہ مسلمانوں نے مسلمان طلبہ کے لیے مدرسے تو بہت بنائے' لیکن نومسلموں کے لیے صفہ کی سنت ترک کر دی کاش؟ اب بھی لوگوں کو یہ خیال ہوتا ۱۲)

نہیں بناتا اور کہاں نہیں بنتے' پھر اس میں بڑائی کیا ہے' باوجود استطاعت وقدرت کے پختہ اینٹ اور پتھر سے نہیں بنائی گئی بلکہ کھجور کے تنوں' شاخوں اور کچی اینٹوں سے بنائی گئی' بلاشبہ اس میں یہ نمونہ ضرور ہے کہ مسلمان جس آبادی میں پہنچیں' سب سے پہلے وہ اپنے گھر سے بھی پہلے' وہاں خدا کی عبادت کی مسجد کی نیو کھودیں کہ مسجد ہی اسلام کی میخ ہے' اسلامی آبادی بناتے ہوئے سب سے پہلے چاہیے کہ اس میخ کو ہر مسلمان اس جگہ گاڑ دے' جہاں وہ آباد ہوتا ہے۔ تعمیری تکلفات کی وجہ سے دقت نہ ہو' اس لیے سب سے پہلی مسجد کا نمونہ وہ رکھا گیا' جسے ہر شخص گاڑ سکتا ہے' ہر جگہ گاڑ سکتا ہے' آخر تعمیری سامان کے لحاظ سے جو مسجد بھی ہوگی' اس سے کیا کم ہوگی جو مسلمانوں کی سب سے پہلی مسجد تھی اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسجد مدرسہ کے ساتھ ہو' علم دین ہے' دین علم ہے عملاً اس نمونہ سے اس کی تعلیم دی گئی۔

تحویل قبلہ کا راز:

میں نہیں کہتا کہ اس مسجد ومدرسہ کے بنانے میں یہ مصالح بھی پیش نظر نہیں تھے۔ یا آئندہ مسلمانوں کو اس نمونہ کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے' لیکن دیکھا گیا پر سوچا نہیں گیا' آخر مسجد عرب میں بنتی ہے' عرب میں کعبہ موجود تھا' جو صرف عرب جاہلیت ہی میں نہیں بلکہ اسلام میں بھی محترم تھا' لیکن باایں ہمہ اس مسجد کا قبلہ عرب سے باہر فلسطین کے سلیمانی ہیکل کو کیوں ٹھہرایا جاتا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف قبلہ مقرر ہوا' لیکن یہ کسی نے نہیں دیکھا کہ وطنیت کا جو بت عرب میں صدیوں سے پوجا جاتا تھا' اور اس زور شور سے پوجا جاتا تھا کہ اس بات کا پجاری اپنے سوا سب کو "عجم" اور گونگا سمجھتا تھا۔ دیکھو کہ صرف ایک اسی مخفی ضرب نے اس بت کو پاش پاش کر دیا۔

جب قرآن میں ہے کہ ابتداً عربوں پر یہ غیر ملکی قبلہ گراں [۶۹] گزرا' یہی تو غور کرنا تھا کہ کیوں گراں گزرا؟ لیکن اب تو گرانیوں کے برداشت کا انہوں نے عہد کیا تھا' جھجکے مگر اسی کے ساتھ ہی آگے بھی بڑھ گئے اور جو لادا گیا' لادلیا' سترہ مہینہ تک اسی وطنیت شکنی کی مشق نے جب ان کے لیے عرب اور غیر عرب کو ایک بنا دیا تو اس سے بھی عجیب اور عجیب تر تماشا پیش ہوتا ہے۔

---

۶۹ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ (قبلہ کی تبدیلی گراں گزری مگر ان پر نہیں جنہیں اللہ راہ دکھا چکا تھا) کی طرف اشارہ ہے ۱۲)

بیت المقدس کو قبلہ بنا کے عرب کے باشندے عرب سے الگ کیے گئے' لیکن اب عرب ہی نہیں بلکہ عرب اور غیر عرب خدا کی ساری زمین سے یہ عرب اور غیر عرب کا قصہ ہی ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جاتا ہے۔ سترہ مہینہ کے بعد قبلہ بدلتا ہے اور بجائے سلیمان کی ہیکل کے سلیمان وداؤدؑ اسحاق واسماعیل کے باپ ابراہیم کے بنائے ہوئے کعبہ کو قبلہ ٹھہرا کر حکم دیا جاتا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

اور جہاں سے تم نکلو اسی جگہ سے تم اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف موڑ دو' اور جہاں کہیں اے مسلمانو تم ہو اپنے چہروں کو اس کی طرف موڑ دو۔

کیا مقصد ہے اس کا؟ یہی کہ جو کعبہ سے باہر کیے گئے ہیں وہ بھی کعبہ کے اندر ہیں اور جو کعبہ سے باہر تھے اپنے کو کعبہ کے اندر سمجھیں' پہلے غیر عرب کو عرب کا قبلہ بنایا گیا اور جب یہ ہو چکا تو پھر عرب اور غیر عرب سب کو مٹا کر نہ عرب ہی رہا نہ غیر عرب رہا۔ بلکہ خدا کی جو ایک دنیا تھی وہ ایک ہی دنیا کی شکل میں واپس آ گئی۔ کعبہ دنیا کی مسجد کی دیوار ٹھہرایا گیا اور بسیط زمین اسی دیوار کا صحن قرار پائی یہی ہر مسلمان سمجھتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتا ہے وہ افریقہ کو بھی کعبہ میں سمجھتا ہے اور امریکہ کو بھی اسی کے صحن کا ایک حصہ قرار دیتا ہے۔ ایشیا بھی اس کو کعبہ کی دیواروں کے نیچے نظر آتا ہے' یورپ میں بھی جب اس کو نماز کی ضرورت ہوتی ہے تو کعبہ کے آنگن میں کھڑا ہو کر وہ اپنی نماز ادا کرتا ہے۔ ایورسٹ [1] اسی کے صحن کا ایک ٹیلہ ہے اور بحر محیط اسی صحن کا ایک حوض' بحر قلزم اسی صحن کی ایک نالی ہے' ایک مسلمان اپنی زندگی کے ہر دن میں پانچ وقت اسی نظریہ کی عملی شکل میں مشق کرتا ہے اور اس کو یہی بتایا گیا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے۔

جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا

(پوری زمین میری مسجد بنائی گئی ہے)

مواخاۃ اور اس کا فائدہ:

''وطنیت'' کے اس صنم اکبر کو توڑنے کے ساتھ اب قومیت اور نسلیت کا بت سامنے آتا ہے کس قدر سرسری طور سے لوگ گزر جاتے ہیں' جب سنتے ہیں یا کہتے ہیں کہ ''مدینہ'' میں

---

[1] (ایورسٹ ہمالیہ کی سب سے بڑی چوٹی ۱۲)

انصار اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کر لیا گیا تھا۔ ان میں عقد مواخاۃ قائم کیا گیا تھا' لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا' مہاجرین قریش اور قریش نسل کے ساہوکار کعبہ کے کلید بردار تھے اور انصار قبیلہ اوس وخزرج کے کسان اور کاشتکار تھے' حالانکہ دونوں آدمی تھے' دونوں انسان تھے لیکن جس طرح آریائی نسل والوں نے سامی نسلوں کو اور سامی نسلوں نے تورانی نسلوں کو یا برہمنوں نے شودروں کو' بے رنگوں نے رنگینوں کو' پھیکوں نے نمکینوں کو' آدمی کی نہیں بلکہ گھوڑوں کی اولاد' بیل کی نسل سمجھا اور اسی قسم بلکہ ان سے بدتر سلوک انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ روا رکھا' جو ان کے ہم نسل' ہم قوم نہ تھے۔

قریش کو اپنے نسب پر اپنے حسب پر بڑا ناز تھا' نسبی فخر ایک دیوتا تھا جو صدیوں سے ان میں پوجا جاتا تھا اور اس طرح پوجا جاتا تھا کہ غیر قریشی عربوں کے ساتھ حج کرنے میں بھی اپنی اہانت محسوس کرتے تھے' اجلے کالوں کے ساتھ دعا تک نہیں مانگتے ہیں' اپنی ذلت سے ڈرتے ہیں۔ قریشی اس قبرستان میں بھی دفن ہونا ننگ خیال کرتے ہیں' جس میں کوئی غیر قریشی دفن ہوتا۔ جس طرح آج بھی شودروں کی مسان' برہمنوں چھتریوں کے مرگھٹ سے دور ہوتی ہے یہی مواخاۃ کا گرز تھا جس نے اس بت کو بھی ڈھیر کر کے رکھ دیا۔

قریشی سردار انصاری کسان کے آگے جھکا ہوا تھا' وہ اس کے ہاتھ چومتا تھا اور یہ ان کے قدم لیتا تھا' یہ اس کو اپنا سب کچھ بلکہ تم نے سنا ہوگا کہ طلاق دے کر ایک بیوی تک دینے پر اصرار کرتا تھا اور وہ شکریہ کے ساتھ انکار کرتا تھا۔

اور یوں مخلوقات بلکہ اپنے خودساختہ مخلوقات کے پنجوں سے آزاد ہو کر مدینہ والوں نے اپنے کھوئے ہوئے رب قیوم کو پا لیا تھا' اس کے بعد منادی کرا دی گئی کہ اب دنیا ایک ہے' اس کا معبود ایک ہے' ان کا رسول ایک ہے' ان کی کتاب ایک ہے' ان کا کعبہ ایک ہے۔

اذان کی ابتداء:

اور دیکھو کہ دن کے پانچ وقتوں میں کڑک کڑک کر گرج گرج کر بلند میناروں سے پکارنے والے مشرق میں' مغرب میں' زمین کے آخری کناروں تک بھی پکار رہے ہیں' پکارتے رہیں گے' کیا ناقوس سے' بوق سے' قرنا سے' گھنٹوں سے' طبل سے' نقاروں سے یہ

بات ممکن تھی جس کی ابتداء اذان کے عجیب وغریب ندائی طریقہ سے زمین پر اسلام کی سب سے پہلی مسجد میں کی گئی' متعدد وطنوں کا بت ٹوٹ گیا۔ متعدد نسلوں کا صنم چور چور ہو گیا۔

جو توڑے گئے جٹ گئے' جو بکھیرے گئے تھے سمٹ گئے' الغرض جو ایک تھے وہ ایک ہی ہو گئے اور اسی یکتائی کا خلاصہ وہ ہے' جس کا اعلان اذان کی شکل میں پانچوں وقت کیا جاتا ہے' محض فکر وخیال میں نہیں' بلکہ واقع میں عملی طور پر مدینہ میں دنیا کا یہ نقشہ قائم ہو گیا۔

تبلیغ عام کا آغاز:

انسانیت کی آزادی کا یہی عالمگیر نقشہ تھا' جس کو عالم میں منطبق کرنے کے لیے "کافۃ للناس" [1] کا بشیر ونذیر اب "کافۃ الناس" کی طرف بڑھتا ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

اس کو اختیار تھا کہ "قرن الثعلب" کے پاس اس کو جو اخشبین (دو پہاڑ) دیئے گئے تھے' ان ہی کو لے کر آگے بڑھتا ہے' لیکن یہ تو پھر دل کا امتحان ہو جاتا' حالانکہ اب تو صرف دماغ ہی کا تجربہ کرانا مقصود ہے' دکھایا جاتا ہے کہ جس کے دماغ کے یہ کارنامے ہیں اس کو مجنوں کہنے والے کیا خود مجنوں نہیں ہیں' جس کی عقل' جسم کے فہم کے یہ کرشمے ہیں' اس کے عقلی توازن میں نقص نکالنے والے کیا ایسے بد بخت خود عقلی توازن سے محروم نہیں ہیں۔

مشکلات راہ:

راستہ اگر صاف ہوتا تو اس وقت جو کچھ دکھانا ہے' کامل طور پر دکھایا نہیں جا سکتا تھا لیکن دیکھو! راہ میں کانٹوں کے جو گھنے جنگلے چپ وراست اوپر اور نیچے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں وہ قصداً ان ہی میں گھس کر نکلتا ہے اور کتنے شاندار طریقہ سے نکلتا ہے۔

بیابان کے ایک نخلستانی قصبہ کے ان کسانوں کی آبادی سے یہ تحریک عالم کی طرف یلغار کرتی ہے جو یہودی ساہوکاروں کے سود در سود کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں' ان کی زمینوں میں پیدا ہی کیا ہوتا ہے۔

---

[1] یعنی سارے انسانوں کو خوش خبری اور دھمکی دینے والا قرآن کی آیت کا اقتباس جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے تم کو سارے انسانوں کا بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے ۱۲

لیکن جو کچھ بھی پیدا ہوتا ہے' پیدا ہونے کے ساتھ یہودی قرض خواہوں کے گھر اٹھ کر چلا جاتا ہے' زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ اس چھوٹی سی آبادی کے دو خاندان اپنی خانہ جنگی میں رہے سہے جوانوں اور سرداروں کو بھی کھو چکے ہیں' ان کے ساتھ اپنے دھن سے' وطن سے بچھڑے ہوئے کچھ لوگ اور بھی شریک ہیں' جن کی تعداد سو سے زیادہ نہیں ہے' ان کا یہ حال ہے۔ دوسری طرف سارا عرب ایک کمان بن کر اس تحریک والوں کو نشانہ بنائے ہوئے ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے' یہودی اپنی مہاجنی کی کساد بازاری سے گھبرا کر ان تمام قلعوں اور قلعہ والوں کو مخالفت کے نقطہ پر جمع کر رہے ہیں جن کا سلسلہ مدینہ سے شروع ہو کر شام کے حدود تک پھیلا ہوا ہے۔ مشکلات کا خاتمہ اسی پر نہیں ہو جاتا ہے' بلکہ بتدریج مخالفت کی یہ آگ بڑھتے بڑھتے اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی مشرقی طاقت (ایران) اور سب سے بڑی مغربی طاقت (روم) دونوں طاقتوں کو مدینہ کی بربادی پر آمادہ کر دیتی ہے۔

رومیوں کے گھوڑے مدینہ سے تھوڑی دور کے فاصلہ پر غسانیوں [۲] کے حدود پر ہنہنا رہے ہیں اور کسریٰ [۳] کے چپڑاسی وارنٹ لیے مدینہ پہنچ کر دھمکا رہے ہیں کہ "مدینہ کے کسانوں کے سردار کو دربار شاہی میں گرفتار کر کے حاضر کیا جائے" یہ ان کے شہنشاہ کا فرمان ہے جو یمن کے گورنر باذان کے توسط سے مدینہ تک پہنچا ہے۔

یہ اس وقت کا سماں ہے' جس وقت مدینہ میں "دماغ" کے تجربہ کے لیے نسل انسانی کو دعوت دی جاتی ہے' پھر کیا ہوتا ہے۔

۲؎ (مدینہ منورہ کے شمالی حدود پر عیسائی راجواڑے رومی حکومت کے باجگذار تھے' اور ان ہی کے ذریعہ سے اسلام کا رومیوں سے تعلق پیدا ہوتا تھا' اسی حکومت کا بادشاہ جب کہ مسلمان ہو کر حضرت عمر کے عہد میں مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا تھا' رومیوں سے چھیڑ چھاڑ آنحضرت ؐ کے عہد میں شروع ہو گئی' موتہ میں گھمسان کی جنگ بھی ہوئی اور تبوک کا سفر رومیوں ہی کو روکنے کے لیے تھا لیکن ان سے ملاقات نہ ہو سکی ۱۲)

۳؎ (جب آنحضرت ؐ کا نامہ مبارک کسریٰ شاہ ایران کے پاس اس طرح پہنچا کہ آنحضرت ؐ کا اسم مبارک اس کے نام سے پہلے تھا...... تو علاوہ خط پھاڑنے کے اس نے حضور ؐ کی گرفتاری کے لیے چپڑاسی مدینہ بھیجے)

غزوہ بدر:

قیدار [۴] کی ساری حشمت جیسا کہ یسعیاہ نبی نے کہا تھا' ایک سال ٹھیک مزدوروں کے ایک سال کے اندر بھس کی طرح جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ علو وکبریائی کا جو نشہ ان کے قدم کو جمنے نہیں دیتا تھا۔ پھٹ کر ہوا ہو گیا۔ جو سب سے بڑا [۵] تھا۔ سب سے چھوٹے کے ہاتھوں قتل ہوا' قریش کے ستر سورما' مارے گئے اور یوں قیدار کی حشمت خاک میں مل گئی۔

وہی عرب جو ایک کمان [۶] سے تیر بن کر اس کونے کے پتھر پر گرے تھے جیسا کہ کہا گیا تھا جو اس پر گرتا ہے' چور چور ہو جاتا ہے چور چور ہو کر اس طرح بدلے کہ جو دشمن تھے وہ دوست ہو گئے۔ جن پر تلوار چلائی گئی وہ نہیں' بلکہ جنہوں نے تلوار چلائی' انہوں نے مسلمان ہو کر ان جھوٹوں کو جھٹلایا۔ جنہوں نے بازاروں میں پھیلایا تھا کہ جو کچھ پھیلایا گیا' تلوار کے زور سے پھیلایا گیا' مکہ میں جن سے چھینا گیا تھا' سب کچھ چھینا گیا' پانی چھینا گیا' کھانا چھینا گیا' گھر چھینا گیا' در چھینا گیا' اور آخر میں جینے کا حق بھی چاہا گیا تھا کہ چھینا جائے اور کتنوں سے چھینا گیا۔ دہکتی ہوئی آگ' چمکتی ہوئی تلواروں' کھینچی ہوئی کمانوں کے نیچے سے بھاگتے ہوئے' پھر چمکتی ہوئی تلواروں اور کھینچی ہوئی کمانوں' تنے ہوئے نیزوں کے ساتھ فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے مکہ میں داخل ہوتے ہیں' لیکن لیتے ہوئے نہیں' دیتے ہوئے' اکڑے ہوئے نہیں' جھکے ہوئے' بدلہ چکاتے ہوئے نہیں' حط وعفو کرتے ہوئے۔

ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا حِطَّةٌ

۴ے (حضرت اسماعیل کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام قیدار تھا' جن کی نسل سے قریش تھے اسی لیے بائبل میں ان کا ذکر قدار کے لفظ سے کیا جاتا ہے' ۱۲)

۵ے (ابوجہل جس کا دوسرا خطاب "فرعون هذه الامة" تھا ایک کم سن انصاری لڑکے کی تلوار سے قتل ہوا۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے جب اس کا سر کاٹنا چاہا تو اس کا یہ مشہور فقرہ تاریخ میں محفوظ ہو گیا۔ "سردار کی گردن ہے ذرا نیچے سے تراشنا تاکہ مقتولوں کی صف میں جب میرا سر رکھا جائے تو اونچا نظر آئے۔"

۶ے عربی تاریخوں کے اس جملہ کا ترجمہ (رمهم بقوس واحد) یعنی عربوں نے مسلمانوں پر ایک کمان بن کر تیر برسانا شروع کیا ۱۲)

ےے شہر کے دروازے میں سر جھکائے ہوئے اور حطہ (یعنی گناہوں اور قصوروں کو جھاڑتے ہوئے' معاف کرتے ہوئے داخل ہونا)

کی تعمیل کرتے ہوئے' رحم وکرم' صفح واعراض' مغفرت ودرگزر' امن وامان کے پھول برساتے ہوئے:

اَلْيَوْمَ يَوْمِ بِرٍّ وَّ وَفَاءٍ اَلْيَوْمَ اَنْتُمُ الطُّلَقَاء

آج صلہ رحمی اور وفا کرنے کا دن ہے آج تم لوگ آزاد کیے گئے۔

کے موتی نچھاور کرتے ہوئے زمین پر انسانوں کے لیے جو پہلا گھر' مخلوق کی نہیں بلکہ خالق کی' صرف خالق کی عبادت کے لیے بنایا گیا تھا۔ اس میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ' کہتے ہوئے سر بسجود ہو گئے۔ ابراہیم کا بیت ایل پتھر کی کھودی ہوئی مورتیوں کی گندگی سے پاک ہو گیا۔

عہد نوبت کے جہاد میں شہداء اور مقتولوں کی اٹھارہ سو تعداد:

اور حیرت ہے کہ بکھرا ہوا وحشی عرب جس میں وثنی' بت پرست' یہودی' عیسائی' صابئ' عقل پرست سبھی ہیں' ان مختلف اقوام وقبائل کے باہمی انتشار جنگ وجدال کو ختم کر کے ایک پرامن آئینی نظام سلطنت کے ساتھ وابستہ کرنے میں جھوٹوں نے جس قدر بھی جھوٹ چاہا پھیلا دیا' لیکن واقعہ اس قدر اور اسی قدر ہے کہ دس لاکھ مربع میل کی طویل وعریض سرزمین کا پایہ تخت جس وقت کسانوں کا وہی قصبہ ہو گیا تو دس سال کی اس لمبی اور دراز مدت میں دشمنوں (عربی ہندوؤں) یہودیوں' عیسائیوں' مسلمانوں' سب میں سے امن وامان کی اس جدوجہد میں طرفین کے جتنے آدمی کام آئے' ان کی تعداد کروڑ' لاکھ بلکہ دو ہزار' چار ہزار بھی نہیں' اتنی بھی نہیں جتنے ''نیویارک کی سڑکوں یا لندن کی شاہراہوں پر موٹروں کے نیچے سے روزانہ اٹھائے جاتے ہیں' یا ہندوستان کی معمولی جھڑپوں میں لاشوں کی جو فہرست تیار ہوتی ہے بلکہ

ےے (یہ قصص بنی اسرائیل کا ایک حصہ ہے جس میں اسرائیلیوں کو ایک نظریہ میں سُجَّدًا وَّحِطَّةٌ کہتے ہوئے داخل ہونے کے لیے کہا گیا تھا۔ مفسرین نے اس کے جو معنی لیے مجھے اس سے انکار نہیں ہے لیکن ''خلقہ قرآن) کے حساب سے کیا یہ تفسیر بہتر نہیں ہے' جو حضورؐ نے عمل کر کے دکھایا۔ کوئی عبادت کے لائق اللہ کے سوا نہیں' اسی کی ستائش ہے' صرف اسی کی جس نے اکیلے (بغیر لڑے بھڑے) اپنے بندے کی مدد کی۔

کل لے دے کے سب کی کل تعداد ایک ہزار آٹھ سو ہے' یہ ہے خونی پیغمبر کا بہایا ہوا خون یا قصابوں کی وہ ''دکان'' جس کے شور سے گنبد گردان بھی تھرا اٹھا ہے' غیر تو غیر اپنے بھی پریشان ہیں۔

اف! برکندہ باد آنکھوں سے بداندیشوں کو صرف وہیں خون نظر آیا جہاں سے انسانیت کی مردہ لاش میں زندگی کا خون دوڑایا گیا' جہاں موت دل کے مردوں کو وہاں زندگی نظر آ رہی ہے' اور جہاں سے صرف زندگی بٹ بٹ رہی ہے' انصاف کرنے والوں نے کیسا انصاف کیا' کہ موت کی وادی کے نام سے انہوں نے دنیا میں اس کا پروپیگنڈہ کیا' ایک ہزار آٹھ سو تعداد تو اس وقت ہے جب اس میں بلا وجہ بنی قریظہ [۸] کے ان یہودیوں کو بھی شریک کر لیا جائے' جن کو خود ان کی کتاب اور ان کی شریعت نے ان ہی کی مرضی سے اپنے ہی قانون کے رو سے اس وقت ناپید کیا جب سمجھا گیا کہ اس چھوٹی سی جماعت کی زندگی سے سارے عرب بلکہ ممکن ہے کہ عرب کے اطراف کی بڑی جماعت کی موت پیدا ہو گی' آخر جب کروڑوں مقتولوں والی عالمگیر جنگ کی آگ یہودی [۹] پھونک کی سلگائی ہوئی مانی جاتی ہے تو اگر ان ہی یہودیوں کے متعلق یہ سمجھا گیا تو کیا غلط سمجھا گیا اور صرف یہی نہیں' اسی ایک ہزار آٹھ سو میں بے چارے ان شہید معلموں کو بھی شمار کر لیا گیا ہے جن کو نجد والے اپنے ملک میں وعظ و تلقین' تعلیم و تذکیر کے لیے لے گئے اور معونہ نامی کنوئیں پر ستر آدمیوں کو شہید کر دیا' ان ہی میں وہ دس مبلغ بھی ہیں' جنہیں بے دردی کے ساتھ بلا وجہ رجیع [۸۰] کے مقام پر ذبح کر دیا گیا' یہ تو مسلمانوں کی طرف کے شہداء ہوئے' اسی طرح فریق ثانی کے مقتولوں کو اسی تعداد میں

۸ے (خندق کی جنگ میں یہودیوں کے روپے اور قریش کے آدمیوں نے ملکر مدینہ کو بیس ہزار فوج سے گھیر لیا۔ بنی قریظہ کے یہودیوں سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا کہ جنگ میں باہم ایک دوسرے کی مدد کریں گے لیکن اس بے کسی کے وقت جب ان سے مدد مانگی گئی تو ان یہودیوں نے کہا کہ ہم محمدؐ کو نہیں جانتے' حضورؐ نے اس وقت چھوڑ دیا' جب خدا کی آندھی نے عرب کی اس آندھی کو شکست دی تب آپ کو بنی قریظہ کے محاصرہ کا حکم ہوا۔ آخر میں بنی قریظہ والوں نے سعد بن عبادہ کو حکم بنا کر قلعہ کھول دیا۔ انہوں نے ان کے جوانوں کے قتل کا فیصلہ کیا۔
(آنحضرتؐ نے فرمایا کہ کتاب کے مطابق فیصلہ ہے کیونکہ اہل کتاب کی کتاب میں عہد شکنی کی سزا یہی تھی ۱۲)

۹ے (یورپ کی گزشتہ عالمگیر جنگ کے متعلق تحقیق نے بالآخر یہ ثابت کیا کہ اس کی تہ میں امریکہ اور یورپ کے یہودی ساہوکاروں کا ہاتھ تھا' ۱۲)

۸۰ (ان واقعات کی تفصیل سیرت کی بڑی کتابوں میں پڑھو یا دیکھو میری کتاب ''الحرب والجہاد'' ۱۲)

شریک کر لیا گیا' جو بجرم قصاص یا ڈاکہ یا چوری مارے گئے یا گرفتاری کے سلسلہ میں قتل ہوئے' لوگ سوچتے نہیں ورنہ دس سال کی اس طویل مدت میں اگر جنگ کا اطلاق کسی معرکہ یا مہم پر ہو سکتا ہے تو وہ "بدر" ہے۔ جس میں بائیس مسلمانوں اور ستر قریش کے' اسی طرح "احد" میں ستر مسلمانوں اور تیس قریشیوں کے آدمی کام آئے بشرطیکہ ہزار پندرہ سو آدمیوں کے مجمع اور ان کی باہمی آویزش کا نام بجائے جھڑپ کے جنگ اور (Battle) رکھا جائے۔

بہرحال قریشیوں سے جو کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی وہ اسی پر ختم ہو گئی نہ "خندق" میں بازار قتال گرم ہوا نہ مکہ میں خونریزی ہوئی' اس کے بعد ایک دو معرکے یہودیوں سے ہوئے جن میں "خیبر" سب سے اہم ہے' اس میں اٹھارہ مسلمان شہید اور ترانوے یہودی مارے گئے۔ "عیسائیوں" سے "موتہ" میں گھمسان کی لڑائی ہوئی' لیکن اس گھمسان میں بھی کل مسلمانوں کے بارہ شہیدوں کا حال معلوم ہوا' اس کے سوا کچھ ڈاکوؤں کا تعاقب ہے' چوروں کا پیچھا کیا گیا' باغیوں کی سرکوبی کے لیے کوئی دستہ روانہ کیا گیا' جس میں اکثر مواقع میں جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی' بہرحال اگر خالص لڑائی اور جہاد کے شہیدوں اور مقتولوں کا حساب کیا جائے تو ان کی تعداد پانچ چھ سو سے زیادہ اس کل دس سال کی مدت کے اندر سارے ملک عرب میں انشاء اللہ ثابت نہ ہو گی' حالانکہ مقابلہ میں عرب کے وحشی قبائل' طاقتور جمہوریتیں اور بعض سلاطین بھی تھے لیکن جس کو طائف کے بعد سب کچھ دے دیا گیا تھا۔ کیوں سوچا جاتا ہے کہ اس کو یہ کیونکر ملا' اس کے ساتھ ایسا کیوں ہوا جس کی زندگی کا ہر واقعہ اس کے کلمہ دعوت ودعویٰ "لا الہ الا اللہ کی دلیل ہے' آخر ان واقعات میں بھی اس کو کیوں نہیں ڈھونڈا جاتا۔ الغرض یہ ہیں کل دس سال اور وہ سارے جنگ وجدال جن کے خون کا افسانہ ہزار ہا بوقلموں رنگوں سے رنگین کر کے دنیا کو سنایا جاتا ہے۔

اب دیکھو جہاں انسان' مسجود ملائکہ انسان کی جان ایک مچھر اور مکھی سے بھی زیادہ قیمت نہیں رکھتی تھی' اس کی جان تو بڑی چیز ہے' اس کے کپڑے کا دھاگہ بھی رات کی اندھیروں میں کوئی نکال نہیں سکتا۔ امن وامان کا دور دورہ ہے' عالم پر منطبق کرنے کے لیے انسانی زندگی کے جس آئین ودستور کا نقش مدینہ کے پرچم میں گاڑھا گیا تھا۔ اس کے نیچے چلے آتے ہیں'

بے تابانہ چلے آتے ہیں' آدم کے بچے ہر چہار طرف سے چلے آتے ہیں' فوج در فوج چلے آتے ہیں وفود[81] کا تانتا بندھا جاتا ہے۔

پھر کیا مدینہ میں جو پایہ تخت قائم ہوا وہاں منبر کی جگہ تخت بچھایا گیا۔ وہی منبر ہے' وہی مسجد ہے' وہی جھونپڑے ہیں' وہی چمڑے کا اکہرا گدا ہے' نہ حاجب ہے' نہ دربان ہیں' امیر بھی آتے ہیں' غریب بھی آتے۔ دونوں کے ساتھ ایک معاملہ ہے عجب دربار۔

سلاطین کہتے ہیں' شاہی دربار تھا کہ فوج تھی' علم تھا' پولیس تھی' جلاد تھے' محتسب تھے گورنر تھے' کلکٹر تھے' منصف تھے' ضبط تھا' قانون تھا۔

مولوی کہتے ہیں مدرسہ تھا کہ درس تھا' وعظ تھا' افتاء تھا' قضاء تھا' تصنیف تھی' تالیف تھی' محراب تھی' منبر تھا۔

صوفی کہتے ہیں خانقاہ تھی' کہ دعا تھی' جھاڑ تھا' پھونک تھی' ورد تھا' وظیفہ تھا' ذکر تھا' شغل تھا' تخت (چلہ) تھا' گریہ تھا' بکاء تھا' وجد تھا' حال تھا' کشف تھا' کرامت تھی' فقر تھا' فاقہ تھا' زہد تھا' قناعت تھی۔ کنکریاں دی جاتی تھیں' کہ کھارے کنوؤں کا پانی میٹھا ہو جائے' بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا تھا' جس کو کہہ دیا جاتا تھا' پورا ہوتا تھا۔

مگر سچ تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ تھا' اس لیے کہ وہ سب کے لیے آیا تھا۔ آئندہ جس کسی کو چلنا تھا۔ جہاں کہیں چلنا تھا جس زمانہ میں چلنا تھا اسی روشنی میں چلنا تھا۔

بیرون عرب میں تبلیغ کا کام:

اور یہ تو عرب کے لیے ہوا۔ عرب ہی کے اندر دیکھو کہ عرب کے باہر کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ اسی دس سال کے عرصہ میں مشرق کی سب سے بڑی ''قوت پرشین ایمپائر'' اور مغرب کی سب سے بڑی طاقت ''رومن امپائر'' کے ساتھ اطراف و جوانب کے سلاطین کو بھی چونکا دیا جاتا ہے کہ وقت سے پہلے جاگ جاؤ' جو جاگا اس نے پایا' جو سویا اس نے کھویا' کسریٰ نے خط پھاڑا' اس کا ملک پھاڑ دیا گیا' قیصر بھی پھاڑ دیتا اور خدا کرتا کہ پھاڑ دیتا' وہ بھی پھٹ جاتا' لیکن معاملہ کو ملتوی کر کے اس نے اپنی قوم اور اپنے ملک کی موت کو ملتوی کرا لیا۔

---

81 (تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب ''المکاتیب'' ۱۲)

اور اتنا ملتوی کیا کہ گویا وہ فوج آج تک واپس نہیں ہوئی۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ کب واپس [۸۲] ہوگی جسے رومیوں [۸۳] کی طرف روانہ کر کے دماغ کے ان عجیب وغریب تجربات دینے والے پاک وجود پھر ''دل'' کے حالات میں مستغرق ہوکر اس بستر پر لیٹ گیا' جس پر لیٹنے کے بعد پھر اٹھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ **اللھم صلی علیه وسلم**

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اس بستر پر لیٹنے کی جو آخری رات تھی اس کے روشن کرنے والے چراغ میں تیل کسی غریب پڑوسی سے قرض کر کے آیا تھا' اور جو چادر اس وقت مرض واپسیں کے مریض پر پڑی تھی جب بعد کو دیکھا گیا تو صرف پھٹا ہوا ایک سیاہ کمل تھا' جس کے اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے' اس کی زرہ تین صاع پر ایک یہودی ساہوکار کے یہاں گرو تھی۔

جاننے کے بعد نہ ماننے کے لیے جھوٹ کے بلوں میں پناہ پکڑنے والو! سوجھ رہا ہے' دیکھ رہا ہے جو اس بستر پر لیٹا ہوا ہے' انصاف کے خونیو! کیا یہی مکہ کا وہ فقیر ہے جس کے متعلق تمہاری گندی زبانوں نے غل مچایا کہ وہ مدینہ کا بادشاہ ہو گیا اور کیا آج ہی اس کا یہ حال ہے' دس سال کی اس مدت میں کس نے اس کے گھر روز دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا ایسے بادشاہ کس دنیا میں گزرے جن کے منہ کو جو کے بے چھنے آٹے کی روٹی بھی میسر نہ آئی' فقیروں نے بھی کبھی دو دو تین تین مہینے تک صرف پانی اور خشک چھواروں پر زندگی گذاری ہے؟ فاقہ مستوں نے بھی کبھی بھوک کی شدت میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے ہیں؟ کن بادشاہوں کی لڑکیوں کے ہاتھ میں چکی پیسنے کا گھٹا اور گردن میں پانی بھرنے کے نشان دیکھے گئے؟ ایسی شاہزادی زمین کے کس خطے میں پائی گئی' جس کو اور جس کے بچوں کو دو دو تین دن بھوک کی شدت میں دن کو رات اور رات کو دن کرنا پڑا ہے' بادشاہوں کا قصر کیا اسی کو کہتے ہیں جس کے کھجوروں کے پتوں کے چھپڑ سے بھی آدمی کا سر لگتا ہو۔

---

۸۲ مشہور محدث ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا فارس (ایران) ایک سینگھ یا دو مار کر ختم ہو جائے گا' لیکن روم (یورپ) کے ایک سینگھ کو مسلمان توڑیں گے تو دوسرا سینگھ نکل آئے گا اور اسی طرح نکلتا چلا جائے گا۔ جب تک اللہ چاہے۔ آج چودھویں صدی کا نصف بھی گزر چکا ہے یورپ کے سینگھ نکلتے چلے آ رہے ہیں۔ ۱۲)

۸۳ مرض الموت میں اسامہ کا جو دستہ رومیوں کی طرف بھیجا گیا اسی کی طرف اشارہ ہے' رومیوں کو آنحضرتؐ کی وفات کی خبر ملی ابھی اس خبر کی مسرت ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اسامہؓ کے حملہ کی خبر ان کو ملی' رومی گھبرا اٹھے اور بولے کیا یہ لوگ جن ہیں؟ ۱۲)

مدینہ کے بادشاہ کا شاہی محل تو اس وقت بھی موجود ہے اس کے طول وعرض کو تو اب بھی ناپ سکتے ہو' باہر میں اس کے سوا کچھ بھی ہو لیکن اندر تو اس کا وہی ہے جو پہلے تھا [۸۴]

بہرحال دس سال تک "دماغ" کا بھی اسی طرح کھلی روشنی میں تجربہ کرایا گیا جس طرح تیرہ سال تک "دل" کے مشاہدات پیش کیے گئے۔

اور تم دیکھو کہ اسی عرب میں ایک طرف ان کا نشہ اتارا گیا' جن کی بڑائی میں خدا کی کبریائی کی بھی گنجائش نہ تھی' تو دوسری طرف ان ہی میں ایک اور نشہ پیدا ہو گیا کہ خدا کی بڑائی کے سوا ان کے اندر کسی کی بڑائی باقی نہ رہے' یہی وہ گروہ ہے جو سینا کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملائکہ قدوسیوں کی شکل میں نظر آیا' وہی دعویٰ جس کی دلیلیں مسلسل خود اپنے اندر سے اس دعوے کا مدعی اعلان سے پہلے چکا رہا تھا اسی دعوے کے نسخہ کو ان پر بھی پیش کیا گیا' جنہوں نے جان کر اس کو مانا تھا یہ نسخہ ان کو پلایا گیا۔

اور کسی جنگل یا پہاڑ کے غاروں میں نہیں' تلواروں کی چھاؤں میں اس کی مشق کرائی گئی۔ پلا کر بھی دکھایا جاتا تھا اور چھڑا کر بھی دکھایا جاتا تھا۔ "بدر" میں جب پی کر اترے تو اس کے نتائج بھی اس کے سامنے تھے اور "احد" میں جو کچھ ہوا' ان ہی کی بدولت ہوا' جن سے پینے میں کچھ کوتاہی ہوئی' مکہ جب فتح ہوا تو سب اسی نشہ میں سرشار تھے۔ "حنین" میں جب میدان چھوٹا' تھوڑی دیر کے لیے چھوٹا تو تم اس کے میدان کے نقشے میں اور اس کی گھاٹیوں' پہاڑیوں میں اس کے اسباب کو کھوجو' لیکن میں کیا کروں کہ قرآن نے اسی نشہ کی کمی کا ان میں نشان دیا ہے جس کا ان کو تجربہ کرایا جا رہا تھا۔

تم کہتے ہو کہ وہ تیراندازوں سے بھاگے جو اندر نہیں بلکہ باہر گھاٹیوں پہاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے اور قرآن کہتا ہے کہ وہ مجاریٹ اور اکثریت کے اس اعتماد سے بھاگے' جو ان کے اندر چھپا ہوا تھا۔

"يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا"

"اور حنین کے دن جب اپنی کثرت تعداد نے تم کو مغرور کیا لیکن یہ کثرت تعداد تم کو فائدہ نہ پہنچا سکی۔"

---

۸۴ تفصیل کے لیے دیکھو "نبی اور اس کی زندگی"

کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے۔

اگر یہ مقصود نہ تھا تو جس کو طائف سے واپسی کے بعد سب کچھ مل چکا تھا۔ اس کو اس لاؤ اور اس لشکر کی کیا ضرورت تھی' یوں بھی تو اس کا داہنا ہاتھ [۸۵] عجیب وغریب کمالات دکھاتا تھا' یہ غرض نہ ہوتی تو کیا صرف اسی سے وہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا اور جب جی چاہا تو کیا خاک کی مٹھی سے اس نے وہی کام نہیں لیا جو ہولٹرز کے گولوں سے لیا جاتا ہے۔

اندھے ہیں جو کہتے ہیں کہ وہ خون بہاتا تھا۔ جس کا خون بہایا گیا' جس کی داڑھی خون سے دھوئی گئی۔ جس کے دانت توڑے گئے' جس کی پیشانی میں ''زرہ'' کی کڑیاں چبھائی گئیں' نابیناؤ! اسی پر الزام دھرتے ہو کہ اس نے خون بہایا۔

چورو! کوتوال ہی کو الٹا ڈانٹتے ہو اور بکف چراغ ہو کر ڈانٹتے ہو حالانکہ تریسٹھ سال کی طول مدت عمر میں کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ خونیوں میں پلنے والے اس انسان نے خون تو کیا کسی کا بال بھی توڑا تھا [۸۶]۔

اسلامی جہاد کی ترتیب:

اف! اگر وہ خون بہانا چاہتا تو پھر ہزاروں کے خون کو صرف ایک کے خون سے کیوں بچاتا' قطرہ بہا کر سمندر کو کیوں باندھتا' یہی یہود جن کا خون ہر زمانہ اور ہر ملک میں تقریباً ہر صدی میں ارزاں رہا ہے اور اب [۸۷] تک ہے' جب خون کے مستحق ہو چکے تھے اور ہر اعتبار

۸۵ (زبور کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں آنحضرت کو خطاب کرتے ہوئے حضرت داؤد نے فرمایا تیرا داہنا ہاتھ عجائب دکھلائے گا۔'' قرآن میں آنحضرتؐ کے داہنے ہاتھ کو خدا کا ہاتھ قرار دیا گیا اور ''ما رمیت اذ رمیت'' میں بھی داہنے ہاتھ کے کمالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے' مشت خاک سے دشمنوں کی فوج میں ابتری پیدا ہوئی اس کا ذکر بخاری میں ہے ۱۲)

۸۶ (پوری تاریخ میں صرف ابی بن خلف کے حلق میں آپ نے نیزہ کی انی اس وقت چبھائی' جب وہ آنحضرتؐ کے قتل کے لیے جنگ احد میں آپ کے قریب پہنچ گیا' آپ نے مکہ معظمہ میں اس سے ایک وعدہ کیا تھا' اس کا ایفا بھی مقصود تھا' ۱۲)

۸۷ جرمنی میں ہٹلر نے ان پر زندگی جس طرح تنگ کی ہے سب کو معلوم ہے۔ یہ تفسیر ہے قرآن کی آیت کی وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (الاعراف: ۱۶۷) ''تیرے رب نے جب اعلان کیا کہ قیامت تک یہودیوں پر کسی کو اٹھاتا رہے گا جو ان کو بری طرح عذاب چکھاتا رہے گا'' ۱۲)

سے ہو چکے تھے' لیکن ان کے ہزاروں کے خون کو صرف کعب بن اشرف اور رافع بن حقیق دو ہی آدمیوں کے خون سے کیوں محفوظ کر دیا گیا۔ بہت بڑا خیر وہ شر ہے جس کے ذریعہ سے کسی عظیم وجلیل شر کا سدباب ہوتا ہے' قصاص میں زندگی ہے' آخر اس قانون میں اور کیا ہے بلاشبہ ان دونوں کی موت میں ان تمام یہودیوں کی زندگی کی ضمانت تھی جو ان کے بعد زندہ رہے۔ پھلے پھولے' ورنہ جو منصوبہ ان دونوں ۸۸ نے پکایا تھا اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ عرب سے یہودیوں کا اسی وقت نام ونشان جاتا رہتا جیسا کہ ہمیشہ اسی قسم کے بدباطن یہودیوں نے اپنی قوم پر ہر ملک میں ہر زمانہ میں زندگی تلخ کی ہے' جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے' لیکن سچ یہ ہے کہ بنی قریظہ کی چھوٹی جماعت اگرچہ ان ہی کی شریعت' ان ہی کے حکم سے مٹائی گئی' لیکن اسی کے ساتھ کیا اس چھوٹی جماعت کی موت میں عرب کے سارے یہودیوں کی زندگی مستور نہ تھی۔ سنگدل اور ظالم ہے' وہ جراح جس نے ایک انگلی کے لیے پورے جسم کو سڑنے دیا۔

ازواج مطہرات:

آخر میں ان تمام تجربات کے سلسلہ میں نادر ترین تجربہ یہ ہے کہ یہی دس سال کا زمانہ ہے' اس کے بعد چند سال گزر چکے ہیں اور اب وہی جو عرب کے لیے بھی تھا' عجم کے لیے بھی تھا اور عورتوں کے لیے بھی تھا' مردوں کے لیے بھی تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں ارادہ فرمایا جاتا ہے کہ جس طرح مردوں میں قدوسیوں کی یہ آخری جماعت پیدا کی گئی ہے سارے جہان کی عورتوں کے لیے قیامت تک نسل انسانی میں جو عورتیں پیدا ہونے والی ہیں ان سب کے لیے ان کی تعلیم کے لیے' تربیت کے لیے' ان کے نمونہ کے لیے' عورتوں کی بھی ایک جماعت تیار کی جائے' شاید یہ قدرت کی طرف سے تھا اور اس کی کونسی بات قدرتی نہ تھی کہ جہاں سے دنیا کے اس عالمگیر نقشے اور حیات انسانی کے کامل دستور العمل کا جھنڈا اٹھایا جاتا ہے۔

مدینہ میں دنیا کے مذاہب کا اکھاڑہ:

وہ نہ "لندن" ہے نہ "پیرس" حتیٰ کہ "ممبئی" بھی نہیں اور "کلکتہ" بھی نہیں' بلکہ سوچو تو بیابان کی اس کوردہ آبادی کی تمدنی وعمرانی لحاظ سے وہ حیثیت بھی نہیں جو ہندوستان کے معمولی

۸۸ (تفصیل کے لیے دیکھو سیرت النبی شبلی مرحوم ۱۲)

اضلاعی شہروں اور قصبوں کی ہے، لیکن دنیا کے اسی دورافتادہ ویران، ریگستان، نخلستان میں حیرت ہے کہ سارے جہان کے مذاہب وادیان اس لیے اس کے آگے پیش ہو جاتے ہیں کہ تردید وتکذیب نہیں، بلکہ سب کی تصدیق، سب کی تصحیح، سب کی تکمیل، عملی شکل میں ممکن ہو کہ وہ "مکذب" نہیں بلکہ "مصدق" تھا اور یہی اس کے دعویٰ کا سب سے بڑا امتیازی نشان ہے۔

ہندو مذہب تو وثنیت کی شکل میں مکہ ہی میں موجود تھا۔ مدینہ آنے کے بعد اس کے آگے دنیا کا دوسرا عالمگیر مذہب یہودیت بھی سامنے آ گیا، اس کے ساتھ خود "مدینہ" میں وہ "نصرانیت" بھی موجود تھی جس کے زیر اثر دنیا کی آبادی کا بڑا حصہ اس وقت بھی تھا، اور اس وقت بھی ہے۔ اس کے حلقہ میں "مجوسی" اور ایران کے آتش پرست [۸۹] زردشتی بھی شریک تھے اور اردگرد میں ایک فرقہ صابئوں کا بھی تھا، جس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ عرب کے صابیوں کا تعلق بودھ مذہب کے سادھوں سے تھا، یا ان کے سوا کوئی اور فرقہ تھا جسے دنیا اب نہیں جانتی [۹۰] ہے۔

الغرض کوہستان کی اس چھوٹی سی بستی میں یہودیت، عیسائیت، ہندویت یا وثنیت، مجوسیت اور چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ بودھیت اپنے تمام مفاسد کے ساتھ موجود تھے، جن کے دھونے، اور جن سے پاک کرنے کے لیے وہ اٹھایا گیا تھا، پس اس نے ان سب کو دھویا، ان سب کو پاک کیا، صاف کیا، جس میں جو کمی تھی سب کو پورا کیا، اور قیامت تک کے لیے پورا کیا۔

اور جس طرح دنیا کے ہر مذہب کے مردوں میں قدرت نے اس کو کچھ لوگ دیے دیکھو کہ قریب قریب کچھ اسی طرح سے زندگی کے آخری دنوں میں تقریباً دنیا کے ان تمام بڑے مذاہب کی عورتوں میں سے ایک ایک نمائندہ اس کی خدمت میں قدرت کی ہی جانب سے حاضر کی جاتی ہے۔ عورتیں اس کی خدمت میں اگر عورتوں کی حیثیت سے آتیں تو کیا وجہ تھی کہ جب مکہ میں ہر قسم کی بھی عورتیں اس کے آگے پیش کی گئی تو اس بزرگ خاتون کے مقابلہ میں جو عمر میں ان سے پندرہ سال بڑی تھیں، پچاس سال کی عمر تک کسی کو پسند نہیں کیا، پچیس سال کی جوانی سے پچاس سال کی عمر تک میں کون نہیں جانتا کہ بجز حضرت خدیجہ رضی اللہ

۸۹ (سلمان فارسی، باذان اقرع بن حابس اور بھی چند ہیں، یہ پہلے مجوسی تھے، اور ہجر کا پورا علاقہ عرب میں زردشتی دین رکھتا تھا، قرآن میں مجوس کے نام سے ان کا ذکر کیا گیا ہے ۱۲)

۹۰ (تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب صابئون ۱۲)

تعالیٰ عنہا کے آپ نے کسی سے نکاح نہیں فرمایا جو نکاح کے وقت چالیس سال کی ہو چکی تھیں اور اس سے پیشتر ان کے دو شوہروں کا انتقال ہو چکا تھا جو عورت [1] کو عورت کی حیثیت سے اپنے گھر لاتا ہے' کیا چالیس سال کی بیوہ کے ساتھ پچاس کی پوری زندگی گزار سکتا ہے۔

ہاں! جب سب کچھ ہو چکا "دل" کا بھی تجربہ ختم ہو چکا "دماغ" کے تجربات بھی دنیا کے سامنے آ چکے۔ قتل وخون' فتنہ وفساد کا متلاطم سمندر ملک عرب' امن وامان' راحت وآسائش کی چھاؤں کے نیچے زندگی کی قیمت حاصل کرنے لگا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگرچہ عرب کا اکثر حصہ ہمیشہ سے کسی غیر عرب کا محکوم نہ تھا لیکن تاہم ان میں بڑوں نے چھوٹوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا اور پھر سب مل کر وہمی مخلوقات کی غلامی کی رسیوں میں گھسٹ رہے تھے' اس غلامی سے ان کو حقیقی آزادی میسر آئی۔ انسانیت اپنے فطری مقام سے ہٹ کر موچ کھائی ہوئی ہڈی کے مانند بے چین تھی' بے کل تھی پھر اس کو اپنا وہ اصلی مقام نصیب ہوا' جس پر پہنچے بغیر قلوب انسانی مطمئن نہیں ہو سکتے' ایسی صورت میں پھر یہ کیسا بد اندیشہ اور خبیث خیال ہے کہ آزادی کی اس نعمت سے ایک پورے طبقہ نصف حصہ کو محروم رکھا جاتا' یہ سچ ہے کہ ان کا' ان بے زبانوں کا کسی نے خیال نہیں کیا' رحم کی نگاہ کسی کی ان پر نہیں پڑی' لیکن کیا کہتے ہو کہ رحمۃ للعالمین کی نظر کرم سے بھی یہ بے چاریاں محروم رہتیں' جس طرح اب تک تھیں ایسا نہیں ہو سکتا تھا جو سب کے لیے تھا' وہ سب ہی کے لیے ہوا اور یہی ہونا بھی چاہیے تھا اس نے بے سمجھ' خام فہم' ناتجربہ کار عورتوں کا انتخاب نہیں کیا کہ ان کو دوسروں کے لیے نمونہ بنانا تھا اور دیکھو! وقت بھی کم ہے فرصت تنگ ہو رہی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ چن چن کر مختلف طبائع اور مزاج' مختلف مذاہب اور ادیان کی سن رسیدہ' فہمیدہ' وسنجیدہ' بیوہ عورتیں جو زندگی کے سرد وگرم کا تجربہ کر چکی تھیں' ان کی ایک برگزیدہ پاک منتخب جماعت کو مختلف اسباب ووجوہ کے پردہ میں قدرت نے اس کی خدمت میں اس وقت مہیا کیا' جب اپنے فرض سے سبکدوشی کا وقت آخر ہو رہا تھا' اس کی زندگی کا یہی آخری کارنامہ تھا' کھل چکا تھا کہ مکہ فتح ہوتا ہے خدا کی زمین کا "مرکز" جھوٹے خداؤں کی نجاست سے پاک ہوتا ہے جس کے بعد اس کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

[1] (کیا آنحضرتؐ کے اس قول کا یہی ترجمہ نہیں ہے؟ مالی فی النساء من حاجۃ۔ قد رواہ داری (عورتوں کے ساتھ میری کوئی ضرورت وابستہ نہیں' ۱۲)

میں بتا چکا ہوں کہ "غیب" اور اس کے "آیات کبریٰ" جس وقت کھولے گئے تھے' آخر میں بانی "کعبہ" ابراہیم علیہ السلام کا دیکھنا اسی کی دلیل تھی کہ کعبہ کی تطہیر اس کا آخری کام ہو گا۔ "مرکز" اور "ام القریٰ" پر قبضہ دلانا اصل کام تھا۔ اس کے بعد مفصلات اور "ام القریٰ" کے قری جو کعبہ کے چاروں طرف زمین کے آخری حدود تک پھیلے ہوئے ہیں' ان کا کام آنے والوں کے سپرد کر دیا جائے گا' اور اسی غیبی مکاشفہ میں نہیں بلکہ مسلسل ایسے مکاشفے مختلف پیرایوں میں ہو رہے تھے' جن کا مطلب یہی تھا کہ کام ختم ہو رہا ہے' پس اس کام کو کامل طور پر ختم کرنے کے لیے مردوں کے ساتھ عورتوں کی تعلیم و تربیت [۹۲] کا کام اپنی آخری زندگی میں اس کو اپنے سر لینا پڑا' یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ عورتیں خدمت مبارک میں اسی حیثیت سے رہتی' جس حیثیت سے مردوں کی ایک منتخب اور چیدہ جماعت ساتھ رہتی تھی' لیکن دماغ کی بیداری کا یہ کیسا روشن تجربہ ہے کہ اس نے مصنوعی' مذہبی مقتداؤں اور روحانی پیشواؤں کی ان مجرمانہ پیش قدمیوں کا راستہ ان عورتوں سے نکاح کر کے ہمیشہ کے لیے مسدود کر دیا۔

ہیکل کی خدمت کے لیے عمران [۹۳] کی عورت نے صرف ایک لڑکی پیش کی تھی' پھر دیکھو! اس کنواری کی آڑ میں چرچوں پر' گرجاؤں پر' ان کے اماموں پر' خطیبوں پر' رہبانوں پر' بطریقوں پر' کتنی کنواریاں روز بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں۔ خدانخواستہ اگر کسی ایک اجنبی عورت کو نزدیک کی وہ حیثیت دی جاتی جو باہر میں مردوں کو حاصل تھی تو کون اندازہ کر سکتا ہے کہ بعد کو آدم رو ابلیسوں کے لیے قرب و نزدیکی کا حیلہ کن خباثتوں اور شرارتوں کی بنیاد بن جاتا۔ جب کوئی نمونہ نہیں موجود ہے اس وقت تو بغیر نمونہ کے زندگی گزارنے والوں نے فتنے برپا کیے' خدانخواستہ اگر "نیم بیضہ" بھی میسر ہو جاتا تو پھر سیخ میں کتنے ہزار مرغ گتھے جاتے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے!

---

۹۲ (اے نبی کی عورتو' تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو یا اے نبی کی عورتو! اگر تمہیں دنیا اور دنیا کا سنگار بناؤ پسند ہے تو آؤ ہم تمہیں جدا کر دیتے ہیں یاد کرو ان آیتوں کو جو کتاب میں آئیں نازل ہوئیں اور حکمت کی باتیں قرآنی آیتوں کی ان تراجم کا کیا مطلب ہے' ۱۲)

۹۳ (مشہور قصہ ہے حضرت مریم کا ہے کہ ان کی والدہ امرات عمران نے نذر مانی کہ میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اللہ کی نذر ہے' اتفاق سے لڑکی پیدا ہوئی انہوں نے اسی کو ہیکل سلیمان و بیت القدس کے نذر کر دیا ان کے اس نمونہ نے عیسائیوں میں "ننوں" کی جماعت پیدا کی جن کے مفاسد سے انسانیت چیخ اٹھی ہے' ۱۲)

الغرض ان عورتوں کو بیوی کا مقام عطا کیا' اور جس کو انسان سوچ نہیں سکتا' اس حد تک ان کے ساتھ حقیقی عدل اور برابری کا نمونہ اس نے پیش کیا' جس کا ''دماغ'' عالمگیر حکومت' سیاست' ہمہ گیر تعلیم و تربیت کی الجھی ہوئی پیچ و در پیچ گتھیوں کو سلجھانے میں اسی وقت مصروف تھا جس وقت ''عائلی'' اور ''خانگی'' کی ژولیدگیوں کو بھی بہ کشادہ پیشانی حل کر رہا تھا' اور اسی آسانی کے ساتھ حل کر رہا تھا کہ خواہ اس کی مدت کتنی[۹۴] ہی کم ہو لیکن بداندیشوں' یا وہ خیالوں کو دور سے زندگی ایسی سلجھی ہوئی خوشگوار لذیذ نظر آئی کہ بدبختوں نے اپنے اندر برے خیالات پکائے' گویا سچ مچ اس خیر میں کوئی شر نہیں اور اس راحت میں کوئی زحمت نہیں تھی' ایک بیوی کے تعلقات کی شیرینی کو مسلسل تلخیوں سے بدلنے والے کیا یہ سوچ سکتے ہیں' البتہ اس کا اندازہ ضرور کر سکتے ہیں کہ چند بیویوں کے تعلقات کا خوشگوار رکھنا فطرت انسانی کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ بلاشبہ یہی ایک عائلی تجربہ بھی ان بدماغوں اور بدعقلوں کے لیے کافی ہے جو جاننے کے بعد ماننے سے اس لیے ہچکچاتے تھے کہ ''دل'' میں تو نہیں' لیکن ''عقل'' اور ''دماغ'' کے نظم میں ان کو بدنظمی کا اندیشہ ہوا۔ جس کی زندگی کا ہر شعبہ شخصی' عائلی' خاندانی' قومی' سیاسی' صرف ضبط اور نظم ہے' اس کے متعلق یہ وسوسہ خود سوچنے والوں کی کیا عقلی بدنظمی کی کھلی دلیل نہیں ہے؟ یہی نہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ زندگی کے اس قلیل حصہ کا کوئی دقیقہ' کوئی نکتہ ایسا نہ تھا' جو نگاہ سے اوجھل ہو' دیکھ چکے کہ دنیا کی عورتوں کے لیے جو نمونہ بنائی گئیں' ان میں سب کی سب عمر رسیدہ' تجربہ کار' بیوہ عورتیں ہیں' جیسا کہ مردوں کے لیے جو جماعت بنائی گئی' ان میں زیادہ تر تجربہ کار سرد و گرم چشیدہ لوگ تھے۔ ایک ایک ان میں ایسا تھا جو ملکوں پر بھاری' قوموں پر گراں ثابت ہوا۔

---

۹۴ (ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کے نکاحوں کا سلسلہ ہجرت کے بعد شروع ہوا اور اس میں بھی عموماً آخر عمر میں حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر تین ساڑھے تین سال سے زیادہ زمانہ ان ازواج کو نکاح کے بعد نہ ملا' اور یہی زمانہ آنحضرتؐ کے جہادی اور حج وغیرہ اسفار کا ہے' اس کا اور عدل کے قانون پر شدت کے ساتھ عمل پیرا ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ تریسٹھ سال کی پوری زندگی میں عموماً ان بیویوں کے پاس آنحضرتؐ کے قیام کی مدت تین ساڑھے تین مہینے سے زیادہ نہیں جو تعلیم کے لیے بھی کافی ہے اور جن شکوک و شبہات کا پروپیگنڈا دشمنوں نے کیا ہے' اس کی تردید کے لیے بھی یہ سب کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے اتنی شادیاں کیں' لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ کب ہوئیں اور ان عورتوں کے ساتھ قیام کی مدت تریسٹھ سال کی عمر میں کتنی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب ''ازواج مطہرات'')

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیثیت:

لیکن دقیقہ سنجیوں' نکتہ نوازیوں کے اس سلسلہ میں انتہا اس وقت ہوتی ہے جب کہ ایک طرف اگر مردوں کے نمونہ میں ایک ایسا نمونہ ہے جس کا ''دل'' جس کا ''دماغ'' جس کا ظاہر' جس کا باطن' ہر قسم کے اجنبی اثرات سے قطعاً آزاد ہے' اسی صحبت میں اس نے آنکھیں کھولیں' ان ہی کی گود میں اس نے ہوش سنبھالا' آخر وقت تک وہ اسی حال میں رہا۔

پھر جس طرح مردوں کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکل میں ایسا نمونہ دیا گیا' جو دو سال کی عمر سے اس وقت خدمت مبارک سے علیحدہ ہوئے جب لوگوں نے مرقد انور سے ان کو نکلتے دیکھا۔

کیا ظلم نہ ہوتا اگر بے زبان عورتوں کو اس بے نظیر' ناگزیر نمونہ سے محروم رکھا جاتا' یہی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ سن رسیدہ اور ادھیڑ بلکہ بعض بوڑھی عورتوں کے اسی مجمع میں وہ ایک طاہرہ' طیبہ' صدیقہ کنواری بیوہ صاحبہ بھی ہیں' جن کو آپ نے اپنے زیر اثر سات ہی سال میں لے لیا اور قبل اس کے کہ ان کا ''دل'' ان کا ''دماغ'' کسی غیر نبوی اثرات کو غیر شعوری طور پر جذب کرے' نویں سال کی عمر میں اپنی رفاقت میں لے لیا۔ عموماً سفر و حضر میں ساتھ رکھا پھر دیکھو کہ جس طرح مردوں کے مظہر عجائب وغرائب وجود سے دنیا کو اگر وہ سب کچھ ملا' جو کسی دوسرے سے نہیں ملا تو کیا ٹھیک اسی طرح اس عجیب وغریب ذہن وذکاء' فضل وکمال' تقویٰ وعفت کے سرچشمہ سے دنیا کو جو دولت تقسیم ہوئی صرف عورتوں ہی میں نہیں کہ وہ تو ان کا گروہ ہی تھا' غالباً مردوں کو بھی کسی دوسرے سے اتنا نہیں ملا

محدثین سے پوچھو! وہ کیا کہتے ہیں![95]

الغرض ہر قسم کے شکوک وشبہات' وساوس واوہام کی تاریکیوں ادنیٰ سے ادنیٰ تاریکیوں کو پھاڑتا چیرتا ہوا' دعویٰ کا وہ آفتاب جس کی صبح کا سپیدہ حرا کے دامن سے پھوٹا تھا ''مکہ'' کے افق سے چڑھتا ہوا تئیس سال کی مدت میں مدینہ کے سمت الراس پر پہنچ کر انتہائی کمال وجلال کے ساتھ دیکھو کہ کس شان' کس آن کے ساتھ چمک رہا ہے۔ آفتاب! دعویٰ کا یہ عجیب وغریب آفتاب جس کے طلوع سے پہلے بھی روشنی تھی اور جس کے ساتھ بھی روشنی ہے

95 (تفصیل کے لیے دیکھیے ''سیرت عائشہ'' سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲)

جس کے باہر بھی روشنی جس کے اندر بھی روشنی ہے وہ خود بھی نور ہے' جس سے نکلا' وہ بھی نور ہے "نور علیٰ نور" کا یہی نورانی نظارہ جس کو دنیا کی آنکھوں کے نور نے کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن ہمیشہ دیکھتی رہے گی' سب کو دیکھا جائے گا' سب دیکھ رہے ہیں' ظاہر کے' باطن کے' دل کے' دماغ کے' تجربات بینہ کی شعاعوں سے آسمانی علم اور لاہوتی عرفان کا یہ آفتاب دمک رہا ہے۔ چمک رہا ہے' بلکہ سچ پوچھو تو بھبک رہا ہے' لپک رہا ہے' چھلک رہا ہے۔

عرب کا وسیع صحرا اس کے لیے تنگ ہے' وہ بڑھنا چاہتا ہے' طوفان کی طرح بڑھنا چاہتا ہے' آندھی کی طرح بڑھنا چاہا ہے' اور دیکھو کہ وہ بڑھ گیا' چڑھ گیا' ساری دنیا پر پھیل گیا اور اب تک اسی آب و تاب' جاہ و جلال کے ساتھ کائنات کے افق پر اسی طرح چمک رہا ہے جس طرح وہ اس وقت چمک رہا تھا' جب وہ عرب سے باہر نکلا' یقین و قطعیت کی تیز اور ٹھنڈی روشنی میں اس کو آج والے بھی اس طرح پا رہے ہیں' جس طرح کل والوں نے اس کو اس وقت دیکھا تھا' جس وقت وہ ان کو' ان کی ایک بڑی جماعت کو' اپنی زندگی کے عمیق سے عمیق' باریک سے باریک پہلوؤں کا کھلے بندوں علانیہ تجربہ کر رہا تھا۔

گلیلی جھیل [۹۶] کے چند ماہی گیر یا مگدھ دیش [۹۷] کے گداگر بھکشو نہیں بلکہ ہزار ہا انسان' ایسے انسان جن پر اس عہد کی ساری بڑائیاں ختم ہوتی تھیں' ان میں بادشاہ بھی تھے اور دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ' ان میں کمانڈر بھی تھے اور دنیا کے سب سے بڑے کمانڈرز' انہی میں دماغ والے بھی تھے سب سے زیادہ دماغ والے' ان میں دل والے بھی تھے' سب سے زیادہ روشن [۹۸] دل والے' الغرض انسانیت کی جتنی اونچی سے اونچی منزلیں سوچی جاسکتی ہیں' تجربہ کاروں کی یہ جماعت ان کی آخری بلندیوں پر ساری دنیا کے آگے مضبوطی کے ساتھ قدم جما کر اس کا ثبوت پیش کر رہی تھی کہ اس وقت دنیا میں ان سے اونچا کوئی نہیں ہے' کہیں نہیں ہے۔

نبوت اور کیسی عجب نبوت! تجربہ! اور کیسا عجیب تجربہ! کتنا روشن تجربہ' کتنا نکھرا ہوا صاف تجربہ' ہر قسم کی آلائشوں اور کدورتوں سے پاک و صاف تجربہ' کتنی عظیم داناؤں کا پرکھا

---

۹۶ (حضرت مسیح علیہ السلام نے جس جھیل کیکنارے حواریوں کو پہلا وعظ کیا' ۱۲)

۹۷ (بدھ کی تبلیغی جدوجہد کا مرکز جس کا اب بہار نام ہے' پہلے مگدھ دیش نام تھا جن لوگوں کو وہ تبلیغ کے لیے مرید بناتا تھا' ان کو بھکشو کہتے تھے' بھیک مانگ کر پیٹ پالتے تھے' ۱۲)

۹۸ (خلفاء راشدین اور صحابہ کے حالات جاننے والے کیا اس میں شک کر سکتے ہیں' ۱۲)

ہوا تجربہ کتنی نازک ذہانتوں کا جانچا ہوا تجربہ کتنی روشن فطرتوں کا ناپا ہوا تجربہ کتنی بے روک بے جھجک طبیعتوں کا بے لاگ تجربہ کتنے متوازن معتدل دماغوں کا ناپا تلا تجربہ چند نہیں فوج درفوج نسل آدم کی غٹ کی غٹ جوق درجوق افراد کا تجربہ اتنے افراد کا تجربہ کہ دنیا کے کسی مسئلہ یا حقیقت کے تجربہ کے لیے نہ آج تک انسانوں کی اتنی بڑی جماعت اکٹھی ہوئی اور نہ شاید آئندہ ہوسکتی ہے۔

تجربات ومشاہدات کا یہی حیرت انگیز ذخیرہ تھا جس کی حفاظت ونگرانی کا فرض کسی خانقاہ کے درویشوں یا کسی مدرسہ کے معلموں یا کسی انجمن کے ممبروں یا کسی کانفرنس کے دفتریوں یا کسی افسانہ نگار مورخ کی انگلیوں کے سپرد نہیں کیا گیا بلکہ سب جانتے ہیں کہ زمین پر روئے زمین پر اس زمانہ کی جو سب سے بڑی قاہرہ سلطنت تھی اس نے اپنا پہلا فریضہ بھی اسی کی حفاظت وتبلیغ قرار دیا اور اس کا آخری فریضہ بھی یہی تھا درمیان کے جتنے مقدمات تھے وہ صرف اسی مقصد کے حصول کے لیے ذرائع تھے دنیا کی اس سب سے بڑی سلطنت نے اپنی ہر قسم کی قوتوں کو صرف اسی کی نگرانی اور نشر واشاعت کے لیے مخصوص اور محدود کر دیا۔ طاقت کی ان آہنی زنجیروں کی بندش میں حکومت ہی کی سرپرستی میں اس کی تاریخ کا آغاز ہوا اور دیکھو کہ مسلسل اسی طرح ایک حکومت دوسری حکومت کو یہ ودیعت سونپتی چلی آئی حالانکہ زمانہ کی اس طویل ودراز مدت میں زمین کے مختلف علاقوں میں باہم ان سلطنتوں کے دوسرے اغراض ومقاصد میں خواہ جس قدر بھی اختلاف رہا ہو لیکن اس آسمانی ودیعت ان ''درخشاں تجربات بینہ'' ان ''عینی مشاہدات'' کی غور وپرداخت تبلیغ وحفاظت میں سب کے نقاط ارادے قطعی طور پر متحد تھے بلکہ ہر حکومت نے کوشش کی سعادت کے اس سلسلہ میں جتنا زیادہ حصہ اس کو مل سکے اس کے حصول میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا جائے۔ اس کے لیے مدارس کھولے گئے خانقاہوں کا جال بچھایا گیا مجلسیں ترتیب دی گئیں حلقے قائم ہوئے تصنیف وتالیف کا باب کھولا گیا اور بڑے بڑے عظیم پیمانوں پر کھولا گیا۔ ایسے پیمانوں پر کھولا گیا کہ شاید دنیا کے کسی ایک فن ایک علم کے متعلق نہ کبھی دنیا میں اتنے بڑے بڑے عظیم الشان مدرسے کھلے نہ تصنیفی کوششوں کا اتنا عظیم حصہ انسانی تاریخ میں کسی ایک علم یا فن کو ملا جتنا کہ اس عجیب وغریب نبوت کے تجربات ومشاہدات کو ملا اور یونہی مسلسل بغیر کسی انقطاع اور کسی وقفہ کے ایک قرن سے دوسرے قرن تک ایک نسل سے دوسری

نسل تک' نبوت کا یہ لازوال ابدی' سرمدی' قیم خزانہ منتقل ہوتا رہا اور اس وقت تک ہوتا رہا ہے' ہوتا چلا جائے گا' صرف یہی نہیں بلکہ ہر پچھلے طبقہ میں تم دیکھو گے نبوت کے اس تجربہ کی گواہی ادا کرنے والوں میں اضافہ ہوتا رہا اور کیسا اضافہ؟ ایک اور دو کی نسبت سے نہیں ایک اور تین کی نسبت سے نہیں' دوگنے اور تگنے کی حد تک کا اضافہ نہیں بلکہ بلا مبالغہ ایک اور لاکھ کی نسبت سے یہ اضافہ بتدریج بڑھتا رہا اور بڑھ رہا ہے اور بڑھتا رہے گا' تا ایں کہ ساری نسل اس کی گواہ بن جائے۔

اور اسی تدریجی اضافہ کی نسبتوں کے ساتھ سلطنتوں کے پرجلال' پرشوکت جلو' بادشاہوں کی شاہانہ اور کڑے پہرے' علماء کی سخت ترین ماہرانہ چوکسی' فقراء وصوفیا[99] کی باوقار پرعظمت نگرانی اور امت مرحومہ اسلامیہ کی فطری بیدار دماغی' طبعی ذکاوت حسی کے حصار میں صدیوں اور سالوں کا کیا ذکر ہے' بلاخوف وتردید کہا جا سکتا ہے اور کہنا چاہیے' اس کے سوا جو کچھ کہا جائے گا' جھوٹ ہوگا کہ ایک لحظہ' ایک پل کے ادنیٰ ترین حصہ کے انقطاع کے بغیر ٹھیک اسی آن بان' اسی سج دھج کے ساتھ امت کے ان افراد کو ملتا رہا ہے۔ اس وقت تک مل رہا ہے' جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے رسول کی صحبت سے فیض یاب نہیں ہیں' لیکن اسی کے ساتھ نہ ان کا رسول' ایک سیکنڈ کے لیے ان سے اوجھل ہوا اور نہ وہ اپنے رسول سے غائب ہوئے' سعادت صحبت سے بہرامند اگر کہہ سکتے تھے اور ان کو کہنے کا حق تھا کہ وہ اپنی نمازوں میں وہی پڑھتے ہیں جو ان کا رسول پڑھتا تھا (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں' جس طرح وہ کھڑا ہوتا تھا' اسی طرح جھکتے ہیں' جس طرح وہ جھکتا تھا' اسی طرح زمین پر پیشانی رکھتے ہیں' جس طرح وہ پیشانی رکھتا تھا' تو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ جن کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی' ہر قرن' ہر صدی بلکہ اس وقت بھی جہاں کہیں ہیں' قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی وہی پڑھتے ہیں جو ان کا رسول پڑھتا تھا؟ اسی طرح کھڑے ہوتے ہیں' جس طرح وہ کھڑا ہوتا تھا' اسی طرح جھکتے ہیں؟ جس طرح وہ جھکتا تھا؟ اسی طرح زمین پر پیشانی رکھتے ہیں' جس طرح وہ رکھتا تھا۔ سبھوں نے تو خدا کی تصویر کھینچی لیکن ایسا کون ہے' جس کی بندگی کی تشکیل اس طرح کی گئی۔

---

99 (تفصیل کے لیے دیکھو میری کتابیں ''اسلام اور سلاطین اسلام'' اسلام اور علماء اسلام'' اسلام اور فقراء اسلام'' ۱۲ م)

ہو بہو من وعن جیسا کہ وہ تھا وہ منتقل کیا گیا' کیا جا رہا ہے اور اس کامل یقین کے ساتھ کیا جا رہا ہے کہ اس کے ساتھ قطعاً وہ وہ واقعات پیش نہیں آئے جو پہلوں کے ساتھ پیش آئے۔ ہاں! جس طرح پہلوں کی کتب چھنی گئیں ان کو ان کے رسولوں اوتاروں سے جدا کیا گیا۔ کیا کوئی دکھا سکتا ہے' ان کے ساتھ بھی سال دو سال کے لیے نہیں روز دو روز' گھنٹے دو گھنٹے' بلکہ سیکنڈ دو سیکنڈ کے لیے بھی (لا فعلة الله) ایسا واقعہ پیش آیا اور جس نے دنیا کے کسی گوشہ میں کبھی ایسا ارادہ کیا' کیا مسلسل نہیں دیکھا گیا جس نے چھیننا چاہا' وہی چھینا گیا۔ جس نے جدا کرنے کا خیال کیا' وہی جدا کیا گیا' یہی ہوتا رہا ہے' یہی ہوتا رہے گا۔ جس پر یہ گریں گے' وہ بھی ٹوٹے گا۔ جو ان پر گرے گا' وہ بھی چکنا چور ہو گا' پھٹے ہوئے نہیں بلکہ تاریخ کے کھلے ہوئے مسلسل اوراق میں یہی لکھا ہوا ہے' یہی لکھا جائے گا۔

بہرحال یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا ایں کہ بالآخر تاریخ کے اس عجوبہ طراز عہد میں نسل انسانی داخل ہو گئی' جس میں ہر بعید قریب ہر دور نزدیک بلکہ ہر شاہد ہر غائب حاضر ہو گیا' مکانی فاصلے حذف ہو گئے اور وہی دنیا جو کبھی متعدد دنیا سمجھی جاتی تھی' ایک دنیا بلکہ اگر کہو تو کہہ سکتے ہو کہ ایک بستی ہو گئی۔ زمانی مسافتیں کم ہو گئیں بلکہ شاید زمانہ کی تین قسموں اور تین حصوں میں سے ایک حصہ ماضی کا تقریباً قابل ذکر نہیں رہا کہ اب جو گزرتا ہے اب نہیں گزرتا ہے' اور جو غائب ہوتا ہے حاضر رہتا ہے' وہی نہیں جنہیں دنیا میں کچھ اہمیت حاصل ہے بلکہ دنیا کی ادنیٰ ادنیٰ پیداوار جو کبھی پیدا ہونے کے ساتھ ہی مٹ جاتی تھی وہ بھی اب انمٹ ہو گئی' قدرت نے اپنی پوشیدہ طاقتوں کا خزانہ' برق' تار برق' لاسلکی' فون وغیرہ کی شکلوں میں فیاضی کے ساتھ وقف عام فرمایا ہے۔ آخر آج کون گن سکتا ہے ان ذرائع اور وسائل کو جن کے ذریعے سے دنیا کے حوادثات و واقعات' تحریریں' تقریریں' محفوظ ہو رہی ہیں' بزم و بازار آج یہ چیزیں ماری ماری پھرتی ہیں' اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو میسر ہیں۔ آج کوئی "امانت کی اندر سبھا" اور شرر کے ناول کو مٹا نہیں سکتا پھر یہ اندیشہ اب کون کر سکتا ہے کہ تجربات کے ان ذخیروں کو اب کوئی حادثہ فنا کر سکتا ہے؟ ان ساز و سامان کے بعد کس قدر عجیب ہے اگر کہا

۱۱۰ (ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ نے خوب ادا فرمایا)

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

جائے کہ جو رسولؐ عرب میں پیدا ہوئے تھے وہ عرب میں ہی پیدا ہوئے تھے اور جس کی ولادت چھٹی صدی ہجری میں ہوئی تھی وہ چھٹی صدی میں ہی ہوئی تھی۔ اس زمانے کے جب غائب کو حاضر اور دور کو قریب سمجھا جاتا ہے کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ پھر ان تمام غائبوں میں سے جو سب سے زیادہ حاضر اور ایسا حاضر کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اتنا حضور ہم میں سے کسی کو خود اپنے سامنے نہیں ہے۔ ان تمام قریبوں میں جو سب سے زیادہ قریب اور اتنا قریب ہے کہ خود ہم اپنے سامنے اپنے کو اس قدر قریب نہیں پاتے۔

آخر ہم میں کون ہے' جس کے دماغ میں اپنی پیدائش' طفولیت' شباب' کہولت' خلوت' جلوت کے تمام واقعات اور اس کے تمام پہلو اتنی صفائی کے ساتھ موجود ہوں جتنی تابناکی کے ساتھ دنیا اس شخص کے متعلق جانتی ہے جو اگرچہ آج سے صدیوں پہلے عرب میں ظاہر ہوا لیکن جس کے ظہور کی شدت ہر پچھلی صدی میں پہلے سے زیادہ محسوس کی گئی' کی جا رہی ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ اسی بڑھتی ہوئی اشتدادی کیفیت کے ساتھ محسوس کی جائے گی کہ قدرت نے اب جن سامانوں کو پیدا کیا ہے ان کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

ختم نبوت:

اور شاید کہ اس ہستی مبارک کے اسی غیر منقطع ارتقائی تسلسل کا نتیجہ ہے کہ اس کے بعد نبوت کا یہ دعویٰ دوراز کار ہے' اس دعوے کا ہر مدعی فالتو' اور زمین کی پشت کا بالکل غیر ضروری بار ٹھہرایا گیا ہے۔ چھٹی صدی کے بعد زمانہ کے ہر حصہ میں ٹھہرایا گیا' دنیا کے ہر خطہ میں ٹھہرایا گیا۔

اور جن بدبختوں کے دل میں کبھی اس منصب کی جھوٹی ہوک اٹھتی ہے یا اٹھوائی جاتی ہے' تم دیکھو! خلاف دستور بنی آدم کتنی بدسلوکیوں کے ساتھ آخر وقت تک اس کو دردراتے' دھتکارتے رہے' اٹھنے کو تو یہ اٹھ جاتے ہیں لیکن چند مغالطی پینتروں کے بعد ہی ان کو خود یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں کوئی کام نہیں۔ بنی آدم کی بستیوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے' پھر یوں ہی بازاری بیروزگاروں کی طرح بالآخر سرگردانی کے ساتھ بھٹکتے بھٹکاتے بہ ہزار حسرت وناکامی' نامرادی کے گڑھوں میں ہمیشہ کے لیے مدفون ہو گئے۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ بوالہوسیوں کے بھبھاروں سے بے چین ہو ہو کر اگر کوئی نبوت کا نام لے کر

کبھی اٹھا بھی تو قدرت کے انہیں ہاتھوں نے جلتی گھانس کے خاکستر کے مانند اس کو وہیں بٹھا دیا' چودہ سو سال کا تجربی مشاہدہ [۱۰۱] ہے حالانکہ اس سے پہلے تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ چار پانچ سو سال کے اندر کوئی نبی نہ آیا ہو' اس کی ضرورت نہ پیدا ہوئی ہو۔

اگرچہ کھلے کھلے صاف غیر مبہم لفظوں میں بار بار اس کی منادی بھی کر دی گئی تھی اور نبوت و رسالت کے سلسلہ میں یہ پہلی منادی تھی کہ اب آسمان کا پیغام لے کر زمین والوں کے پاس کوئی نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ختم نبوت کی اس سنگین مہر سے جو بھی ٹکراتا ہے' وہی پاش پاش ہو جاتا ہے اور قدرت کی چٹان پر سر مارنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

بالفرض اگر یہ اعلان نہ بھی ہوتا جب بھی آخر دنیا کیا کرتی! آنے والے تو ہمیشہ اس وقت آتے ہیں۔ ان میں آتے ہیں' جب جانے والا جا ہی چکے' لیکن ایسا آنے والا جو اس شان کے ساتھ آیا کہ بجائے جانے کے وہ آگے ہی بڑھتا رہا' بڑھ رہا ہے' گنجائش ہی کیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا آئے۔

جس طرح وہ بھیجا گیا' جن صفات و کمالات کے ساتھ بھیجا گیا۔ اسی شان' اسی آن کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب اور دمکتے ہوئے سورج کے مانند ہم میں وہ اس طرح موجود ہے' ہر جگہ موجود ہے' ہر خطہ میں موجود ہے' اس کا وجود مغرب میں بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح مشرق میں وہ آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے' شاہوں کے قصور اور غریبوں کے قلب ہائے دیجور دونوں کو روشنی بانٹ رہا ہے اور یکسانی کے ساتھ بانٹ رہا ہے' وہ سب کے لیے برابر ہے' سب کے لیے یکساں ہے' وہ فضا میں بھری ہوئی ہوا ہے' جس میں سب سانس لیتے ہیں اور وسعت کون و مکان کا وہ نور ہے' جس میں سب چلتے ہیں' پلتے ہیں' پھولتے ہیں' پھلتے ہیں' یقیناً اس کی ضرورت جتنی چھٹی صدی کے باشندوں کو تھی' اتنی ہی ضرورت اس وقت تک باقی ہے' پھر جب تک پیاس ہے' پانی چھلکے گا اور جب تک بھوک ہے' روٹی معدوم نہ ہو گی' آخر اس وقت کیا تھا' جواب نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا اپنے خالق سے ٹوٹ کر اس زمانہ میں مخلوقات کے اندر غرق تھی لیکن کیا آدم کی اولاد تباہی کے اس گرداب سے نجات پا چکی؟

بلاشبہ جنہیں اس کی برکت میسر آئی ہے' ان میں اکثروں کا ان کا جو مرتد یا منافق نہیں ہیں' ان کا بیڑہ خطرہ سے انشاء اللہ نکل چکا ہے' لیکن کون کہتا ہے کہ سب کا نکل چکا ہے؟

---

۱۰۱ (تفصیل کے لیے دیکھو کتاب "ائمہ تلبیس" از رفیق دلاوری' ۱۲)

پھڑ پھڑا رہے ہیں' ہندوستان کے ایک قطعی اراضی میں اتنے پھڑ پھڑا رہے ہیں کہ ان کا شمار صدو ہزار سے نہیں بلکہ کروڑوں سے کیا جاتا ہے اور یہ تو صرف ہندوستان کا حال ہے' اس ملک سے باہر بھی کیا کام پورا ہو گیا ہے۔

آباد جزیروں کے اس جنگل میں جہاں آفتاب [۱۰۲] نکلتا ہے اور مشرق کا وہ گنجان خطہ جہاں بنی نوع انسان کی سب سے بڑی آبادی ہے' کیا جاپان وچین کے ان باشندوں کی اپنے مالک سے صلح ہو چکی ہے؟ یقیناً ایک گروہ وہاں بھی ایسا پیدا ہو چکا ہے' جس نے مخلوقات کی بندگی کا جوا گردنوں سے پھینک کر حقیقی اور سچی زندگی حاصل کی ہے' لیکن کون نہیں جانتا کہ ان ممالک کی اکثریت ابھی اسی طرح اپنے مالک سے روٹھی ہوئی ہے' جس طرح اس کے آباؤاجداد روٹھے ہوئے ہیں۔

غریب مشرق تو پسماندگان کا ملک ہے لیکن جن کی پیش گامیوں کا ڈھنڈورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے' کیا یورپ کے ان باشندوں کی سمجھ سیدھی ہو چکی ہے' "باپ بیٹے" کے قدیم افسانے کو تو چھوڑو لیکن جن خلقتوں کی ایجاد و تخلیق کی انہیں توفیق بخشی گئی۔ بجائے توفیق بخشنے والے کے خود اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی ان مخلوقات کو اپنے دلوں میں نہیں بیٹھائے ہوئے ہیں؟ یقیناً ان کے قلوب ان کی جدید مخلوقات کی انتہائی عظمت سے اسی طرح لبریز ہیں' جس طرح ان کے بزرگوں کے دل پرانی مخلوقات کے احترام سے معمور تھے۔

پہلوں کی عقل کو سورج کی شعاعوں' آگ کے شعلوں نے خیرہ کیا تھا' تو کیا پچھلوں کے سینوں میں برق کی قوتوں' اسٹیم کی طاقتوں' پٹرول کی توانائیوں نے چکا چوند نہیں لگائی ہے' بزرگوں کے کارناموں' سورماؤں کی اولوالعزمیوں نے اگر پہلوں کو ان بزرگوں کے پتھر کی کھودی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکایا تھا' تو پچھلوں کے لیڈروں' زعیموں' قائدوں کے کاموں نے ان کے اسٹیچو اور فوٹو کے ساتھ ان کی ساری قومی عزت وفلاح کو وابستہ نہیں کیا ہے۔

پرانوں کے دیوتاؤں کی گنتیوں کو سن کر تم قہقہے لگاتے ہو' ہنستے ہو' جب سنایا جاتا ہے کہ احمق ہندوستان خالق سے ٹوٹ کر چالیس کروڑ دیوتاؤں اور معبودوں کے ساتھ جکڑا ہوا تھا مگر کوئی ہوتا' جو ان نت نئے دیوتاؤں کی فہرست بناتا' جن کے ساتھ فرزانہ ودانا یورپ کی روح

۱۰۲ (جاپان کے معنی "مطلع الشمس" کے ہیں جو لفظ توپوں کا ترجمہ ہے' اسی کی طرف اشارہ ہے ۱۲)

اسی طرح خالق سے بیگانہ ہو کر ڈوبی ہوئی ہے' آخر بتایا جائے ان دونوں نئے اور پرانے طبقہ میں کیا فرق ہے' خالق سے یہ بھی دور' وہ بھی دور' مخلوقات کے بوجھ سے یہ بھی چور' وہ بھی چور' کچھ فرق اگر ہے تو صرف اس قدر ہے کہ پرانوں کے معبود بھی پرانے تھے اور نیوں کے معبود بھی نئے ہیں' پرانوں کو پرانے معبودوں میں عجائب وغرائب' اور نت نئے فوائد نظر آئے تھے اور نیوں کو نئی مخلوقات میں عجائب وغرائب' اور نت نئے فوائد نظر آئے' نظر آ رہے ہیں' مظاہر' احترام اور تعظیم کے بیرونی قالبوں کی خصوصیتوں سے اگر قطع نظر کر لیا جائے' تو ناپ لیا جا سکتا ہے۔ اگر قلبی احساسات اور ذہنی کیفیات کے ناپنے کا کوئی آلہ ہوتا کہ پرانوں کے دلوں میں پرانے معبودوں کے متعلق جو کچھ تھا نیوں کے قلوب میں نئے معبودوں کے متعلق وہی کچھ بلکہ شاید کہ اس سے زیادہ ہو۔

پرانے بھی تنہا خدا کے نام پر بپھر جاتے تھے' نیوں کے سامنے جا کر آج خدا کو تنہا کیا بلکہ ان کے معبودوں کے ساتھ ملا کر بھی نام لو تو پھر دیکھو کہ ان کی پیشانی کی کھال کس طرح سکڑتی ہے اور منہ نے کتنے تولے کف کے اڑا کر بے چارے نام لینے والے کے چہرے پر پڑتے ہیں۔ تحریروں میں' تقریروں میں' تذکروں میں' کیا نیوں کا یہ گروہ اپنے معبودوں کے نام لیے بغیر کبھی گزر سکتا ہے' برق کا' بھاپ کا' تار کا' ریل کا' سیاروں کا' طیاروں کا' فیکٹریوں کا' ملوں کا' بینکوں کا' سرمایوں کا' ان کی مختلف شکلوں مثلاً انشورنسوں' ریسوں اور خدا جانے کن کن خداؤں کا نام آج جس دلچسپی کے ساتھ' جس ذوق شوق کے ساتھ لیا جاتا ہے مشکل ہے کہ خالق کے پوجنے والے نے اتنے ذوق وشوق کے ساتھ بِسۡمِ اللهِ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ' سُبۡحَانَ اللّٰهِ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا ذکر بھی کیا ہو' یہ حمد بھی کرتے ہیں تو ان ہی خداؤں کی' نعت بھی لکھتے ہیں' تو ان ہی کی۔ پھر میں کیا غلط سمجھا۔ جب میں نے دیکھا کہ "جو پرانے تھے وہی نئے ہیں" چند مخلوقات کے گرد پالتیاں مارے وہ بھی بیٹھے تھے اور ٹھیک اسی طرح فطرت کے چند نوامیس وقوانین کے تحت یہ بھی محو رقص رامش گری ہیں۔ وہ ان کا بھجن گاتے تھے۔ یہ ان کا شکر کرتے ہیں۔

اَتَوَاصَوۡا بِهٖ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ طَاغُوۡنَ۔

تم کہتے ہو کہ پہلوں نے انسانیت کو ذلیل کیا' جو سب سے اونچا تھا' وہ سب سے نیچا اور اسفل سافلین کے درجہ پر پہنچایا گیا۔

بلاشبہ یہی ہوا' یہی ہونا بھی چاہیے کہ خالق ایک ہے اور مخلوق لامحدود ہیں' پس جس نے ایک کو چھوڑا' اس کو ہر ایک سے جڑنا پڑے گا' جو ایک سے نہیں ڈرے گا' اس کو ہر ایک سے ڈرنا پڑے گا' جو جھکنے ہی کے لیے ہے' اس کو جھکنا ہی پڑے گا' لیکن ایک کے آگے جھکا تو سب اس کے آگے جھکیں گے اور جس نے ایک کے آگے سر ٹیکنے سے انکار کیا' دیکھو! وہ ہر ایک کے آگے سر ٹیکنے پر مجبور ہے' ملائکہ کے آگے' جن کے آگے' انس کے آگے' حیوانات کے آگے' نباتات کے آگے' جمادات اور میں کیا دکھاؤں کہ جو دیکھا نہیں جا سکتا اس کے آگے۔[۱۰۳]

یہی وہ عذاب ہے جو آخرت سے پہلے ان کو دنیا میں چکھنا پڑا' چکھ رہے ہیں برضا و رغبت چکھ رہے ہیں۔

مگر کیا انسانیت کی یہ توہین صرف پہلوں میں تھی' پرانوں نے خالق کے معبود ہونے سے انکار کیا' بے شک اس کے صلہ میں انہیں بندروں کو مسجود بنانا پڑا لیکن جن لوگوں نے اپنے تئیں خدا کی مخلوق ہونے میں شک کیا تھا آج بندر کے مولود ہونے کا اپنی زبان سے کیوں اقرار کر رہے ہیں۔ جس نے بندر کو معبود بنایا کیا شبہ ہے کہ اس نے انسانیت کو رسوا کیا' لیکن جس نے خدا کی مخلوق ہونے سے انکار کر کے بندر کے مولود و مسعود ہونے پر فخر کیا' کتابیں لکھیں' دلائل قائم کیے' قائم کر رہے ہیں' کیا انسانیت کی خواری میں انہوں نے کوئی کمی کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ہر چیز کی قیمت لگاتے ہوئے یکا یک چیخ اٹھتے ہیں کہ انسانیت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ سب انسان کے لیے ہیں' لیکن انسان کسی کے لیے نہیں' کسی مقصد کے لیے نہیں کیا؟ اس نے انسانیت کو ان عفونتوں اور غلاظتوں سے بدتر نہیں ٹھہرایا؟ جن سے انسانوں کے کتنے مقاصد وابستہ ہیں' جب انہوں نے کہا کہ انسان اپنے خدا اور خالق کے لیے نہیں ہے تو کیا اس کے بعد یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ انسان کسی کے لیے ہے بھی؟ پانی کا کیا بگڑے گا' اگر آدمی نہ ہوں' ہوا کیوں رک جائے گی' اگر آدمی نہ ہوں' آفتاب میں کیا داغ آئے گا' اگر آدمی نہ ہوں' حتیٰ کہ سڑک کے کسی سنگریزہ اور جنگل کے کسی تنکے کا کیا نقصان ہے' اگر کوئی نہ ہو؟ تمہارے بڑے نہ ہوں' چھوٹے نہ ہوں' کوئی نہ ہو' بے شک سب ان کے لیے ہیں' لیکن مخلوقات کے اس طویل و عریض سلسلہ میں انسان کسی کے لیے نہیں' اب اگر وہ خالق کے لیے بھی نہیں ہے تو اس سے زیادہ عبث و بے نتیجہ' فضول و مہمل' بے ہودہ ہستی اور کسی کی ہو سکتی ہے؟ اس رسوائی سے بڑی رسوائی' اس ہتک سے بڑی ہتک اور کیا ہو سکتی ہے؟

۱۰۳؎ (تفصیل کے لیے دیکھو میری کتاب ''الطواغیب والاوثان'' ۱۲)

عرب کے جہل نے کیا پیدا کیا تھا' جو آج کے علم سے نہیں پیدا ہو رہا ہے جاہل شراب پیتے تھے' مردار کھاتے تھے' زنا کرتے تھے' سود خوار تھے جواری تھے ایک کا خون دوسرا پیتا تھا۔ املاق وافلاس کے اندیشہ سے لڑکوں کو لڑکیوں کو گور میں زندہ دفن کر دیتے تھے' لیکن یہ قصہ کن کا سنایا جا رہا ہے' کیا عرب کے جاہلوں کا' یا یورپ کے عالموں کا' وہاں کیا دکھاتے ہو جسے یہاں ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے' عرب سے باہر ایران میں ایک طرف مزدک' زر' زمین' زن کو سب سے چھین کر سب کو دے رہا تھا' اور دوسری طرف مانی اور اس کے شاگرد ہاتھوں میں استرے لیے پھرتے تھے کہ جس راہ سے یہ برائیاں آئی ہیں' ان ہی کا قلع قمع [۱۰۴] کر دیا جائے۔ وہ انسانوں کو انسانوں میں آنے سے روکتے تھے۔ یہی ان کا فلسفہ تھا' لیکن یہ تو ایران میں ہو رہا تھا' آج یورپ کے ایک حصہ میں پھر وہی مزدک' زندہ ہو کر بالشویک کے نام سے کیا وہی سب کچھ نہیں کر رہا ہے جو اس نے کیا تھا اور دوسری طرف برتھ کنٹرول کے نام سے اس طرح انسانوں کو انسانوں کی سوسائٹی میں شریک ہونے سے روکا جا رہا ہے۔

ایک راستوں کو ڈھاتا اور دوسرا بند کرتا ہے اس کے سوا اور کیا فرق ہے؟

صحیح ہے کہ ہندوستان میں بدھ مت کے فلسفہ نفس کشی نے بڑی گندی شکلیں اختیار کی تھیں' دم مارگی پیدا ہوئے تھے' مانگ ودیا [۱۰۵] اور دم مارگی تک پائے جاتے تھے۔ اگھوری ہونا آتما کی بڑی پاکی تھی لیکن آج گندگیوں میں صفائی کے مدعی بن کر جو لت پت ہیں اگھوروں کو بھی تے ہو اگر ان کا حال سنایا جائے' بے پردگی وعریانی نے جنسی لذتوں کو جس حد تک بے جان کیا ہے' اس میں جان ڈالنے کے لیے آج مغرب کا اگھوری جو کچھ کر رہا ہے' واقعہ یہ ہے کہ اس کے سامنے مشرق کا اگھوری بھی شرمندہ ہے' الحاصل جو کچھ اس وقت تھا جہاں تک سوچ گے تقریباً کسی نہ کسی شکل میں تم اس وقت بھی اس کو پاؤ [۱۰۶] گے پس آنے والا کیسے جا سکتا تھا' جب تک کہ وہ سب نہ جائے جس کے لیے وہ آیا تھا' بلکہ اس کی ضرورت تو اس کے بعد

۱۰۴؎ (کہا جاتا ہے' کہ ایران کا فرقہ مانویہ توالد وتناسل کے آلات ہی فنا کرنے کا وعظ کرتا تھا' اور اس کا خیال تھا کہ یہی دنیا کی ساری شرارتوں کا سرچشمہ ہیں' پس جو برائیوں کو روکنا چاہتا ہے چاہیے کہ وہ انسان ہی کو پیدا ہونے سے روکے' ۱۲)

۱۰۵؎ (دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ سب سے بڑی نیکی ماں کے ساتھ زنا کرنا ہے' ۱۲)

۱۰۶؎ (تفصیل کے لیے دیکھو میرا مقالہ "جاہلیت اولیٰ کا جاہلیت آخری سے موازنہ" ۱۲)

بھی رہے گی کہ دنیا تو مسلسل محو تخریب ہے' لیکن کیا تعمیر بغیر معمار کے ممکن ہے اور یہی میرا مقصد تھا جب میں نے یہ کہتے ہوئے سب سے پہلے کہا تھا کہ یہی وہ آنے والا ہے جو آنے ہی کے لیے آیا پھر جس طرح آج وہ ہم میں موجود ہے' اس کی ضرورت موجود ہے' ان سب کو دیکھ کر اب بھی کوئی شک کرسکتا ہے کہ آنے کے بعد وہ نہیں گیا اور جب تک اس کی ضرورت ہے' نہیں جائے گا' تھا' ہے' رہے گا' ابد تک رہے گا اور اس کے لیے یہی مقدر ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ النَّبِیِّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَعَلٰی ذُرِّیَّتِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ عَلٰی سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ فِی الْعٰلَمِیْنَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

پس اے اخوان عزیز!

جَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ ھٰذَا لِیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ شَھِیْدًا عَلَیْکُمْ وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ (سورۃ الحج آیت نمبر ۷۸)

کوشش کرو اللہ کی طرف بلانے کی کوشش کا پورا حق ادا کرتے ہوئے اسی نے (اے امت اسلامیہ) تم کو چن لیا ہے اور تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں فرمائی۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے' پہلے بھی اور اس میں بھی (کوشش کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رسول تمہارے نگران رہیں گے' اور تم دنیا کے نگران رہو گے' پھر لوگو! نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور زور سے پکڑ و اللہ کو وہی تمہارا آقا ہے پھر آقا ہے' کتنا اچھا مددگار۔

جب تک جانے کے لیے آنے والے آتے رہے' اشخاص چنے جاتے تھے' لیکن جب وہ آیا جو آنے ہی کے لیے آیا تو اس کے طفیل میں اس کے ساتھ شخص نہیں بلکہ امت کی امت ہی چنی گئی۔ پہلے شخص مبعوث ہوتے تھے اب ایک امت ہی مبعوث ہے' یہی اس امت کا ''اصل

منصب" اور "فرض حقیقی" ہے' جب تک وہ اس منصب پر قائم رہیں گے اور انسانوں کی نگرانی کریں گے اس وقت تک ان کے رسول بھی اس امت کے نگران رہیں گے لیکن جب تم اپنے منصب سے ہٹے' اگر رسول کی نگرانی کو نہیں محسوس کرتے تو کیا یہی وعدہ نہیں تھا؟

یہ امت مجتبیٰ و مبعوثہ ہر قوم میں ہے' ہر ملک میں ہے' پس جو جہاں ہے' وہ وہیں مبعوث ہے' اس کی قوم' اس ملک کے باشندے ہیں' مصیبت کی گھڑی وہی تھی' جب اپنی قوم کو ہم نے اپنی قومیت سے نکالا' اسی کے ساتھ ان کا درد بھی دل سے نکلا' حالانکہ اگر حضرت نوح کی منکر ان کی قوم تھی' حضرت ہود کے کافران کی قوم تھی' قریش رسول خاتم النبیؐ کی قوم کے لوگ تھے' تو کس نے کہا کہ ہندوستان کے ہندو ہندوستان کے مسلمانوں کی قوم نہیں' مصریوں کی قوم' مصر کے قبط نہیں' یورپ کے عیسائی یورپ میں رہنے والے ترکوں کی قوم نہیں' پس جب تک۔

حَتّٰی لَا تَکُوْنُ فِتنَۃ وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ

نہ ہو تھک کر بیٹھنے والے کے کیا معنی ہو سکے ہیں' وثیقہ ہے کہ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ سارے دینوں پر وہ غالب ہو؟

اور دیکھو کہ لامذہبیت پر مذہبیت غالب ہے' چند پیشہ ور کتاب سازوں یا سبق فروش معلموں کو جانے دو' جو وساوس بافی کی روٹی کھاتے ہیں عام فطرت انسانی پر مذہب کی گرفت اسی طرح سخت ہے' جس طرح ہمیشہ سے تھی' آخر اگر لامذہبیت کا اسی قدر زور ہو گیا ہے تو جس یورپ کے متعلق یہ کہا سنا جاتا ہے وہاں کے باشندوں نے کیوں نہیں لامذہب ہونے کا اعلان کیا ہے۔

سچ یہ ہے کہ انسانی دماغ کی جو ذہنی ساخت ہے اس میں اتنی تنگی یا پستی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے' کہ ماضی و مستقبل کے انجام کے فیصلہ کے بغیر اپنی زندگی گزارے؟ کہاں سے آیا

لے ۱ (نبی کے پیغام اور زندگی کے ہوتے ہوئے اگر زیادہ سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت ہے تو صرف یہی کہ لوگوں میں بداعتقادی' بے عملی پیدا ہو جائے تو کوئی پھر کتاب وسنت کی طرف ان کو پلٹا کر لے جائے اتنے کام کے لیے "امت مبعوثہ" اور اس کے مجددین کافی ہیں اور کافی ہوتے رہیں ہیں' ۱۲)

ہوں' کہاں جارہا ہوں؟ کیوں آیا ہوں؟ جس چلنے والے کے سامنے ان سوالات کے جواب نہیں ہیں' کیا وہ ایک قدم بھی آگے بڑھ سکتا ہے؟ بہرحال کم از کم اس وقت تک تو دنیا میں لامذہبوں سے زیادہ بہت زیادہ بہت ہی زیادہ تعداد مذہبی لوگوں کی ہے اور مذاہب میں ہر حیثیت سے جو وزن اسلام کو حاصل ہے' کسی کو نہیں ہے۔ پس اسکا منطقی نتیجہ کیا یہی نہیں ہوا کہ لامذہبیت پر مذہب غالب اور تمام مذاہب پر اسلام غالب ہے۔

جب مسلمان اپنی نگرانی دوسروں کے سپرد کر کے رسول علیہ السلام کی نگرانی سے اس وقت محروم ہیں اس زمانہ میں بھی اسلام کے غلبہ کا یہ حال ہے تو کیا حال ہوگا' جب دنیا کے نگران بن کر پھر رسول کی نگرانی کی سعادت مسلمان حاصل کر لیں گے۔ کچھ نہیں' کوئی کام نہیں' جب تک اصل کام نہ ہوگا' کسی کام میں کوئی برکت نہ ہوگی۔ بہت آرام لے چکے' تھکن مٹ چکی' کام بہت باقی ہے' ہوتا کہ چونکنے والے چونکتے اور ''درا کی اس بانگ'' پر چل پڑتے ہیں۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اقبال)

تمت باالخیر

ضمیمہ نمبر 1

نقشہ متعلق ازواج مطہرات

نمبر شمار	اسمائے امہات المومنین	سنہ نکاح	عمر ام المومنین بوقت نکاح	عمر نبیؐ بوقت نکاح	مدت۔ سعادت معیت
۱	حضرت خدیجۃ الکبریٰ	۱۵ میلاد قبل نبوت	۴۰ سال	۲۵ سال	تقریباً ۲۵ سال
۲	حضرت سودہؓ	شوال سنہ ۱۰ نبوت	۵۰ سال	۵۰ سال	۱۴ سال
۳	حضرت عائشہ صدیقہؓ(۱)	شوال سنہ ۱۱ نبوت	۶ سال	۵۲ سال	۹ سال
۴	حضرت حفصہؓ	شعبان سنہ ۳ ہجری	۲۲ سال	۵۵ سال	۸ سال
۵	زینب بنت خزیمہؓ	۳ ہجری	۳۰ سال	۵۵ سال	۳ ماہ
۶	حضرت ام سلمہؓ	۴ ہجری	۲۴ سال	۵۶ سال	۷ سال
۷	زینب بن جحشؓ	۵ ہجری	۳۶ سال	۵۷ سال	۶ سال
۸	حضرت جویریہؓ	شعبان سنہ ۵ ہجری	۲۰ سال	۵۷ سال	۶ سال
۹	حضرت ام حبیبہؓ	۶ ہجری	۳۶ سال	۵۷ سال	۶ سال
۱۰	حضرت صفیہؓ	جمادی الثانی ۷ ہجری	۱۷ سال	۵۹ سال	ساڑھے تین سال
۱۱	حضرت میمونہؓ	ذی قعدہ سنہ ۷ ہجری	۳۶ سال	۵۹ سال	ڈیڑھ سال

۱ رخصتی سنہ ۱ھ کو ہوئی نکاح اور رخصتی دونوں ماہ شوال میں ہوئیں۔

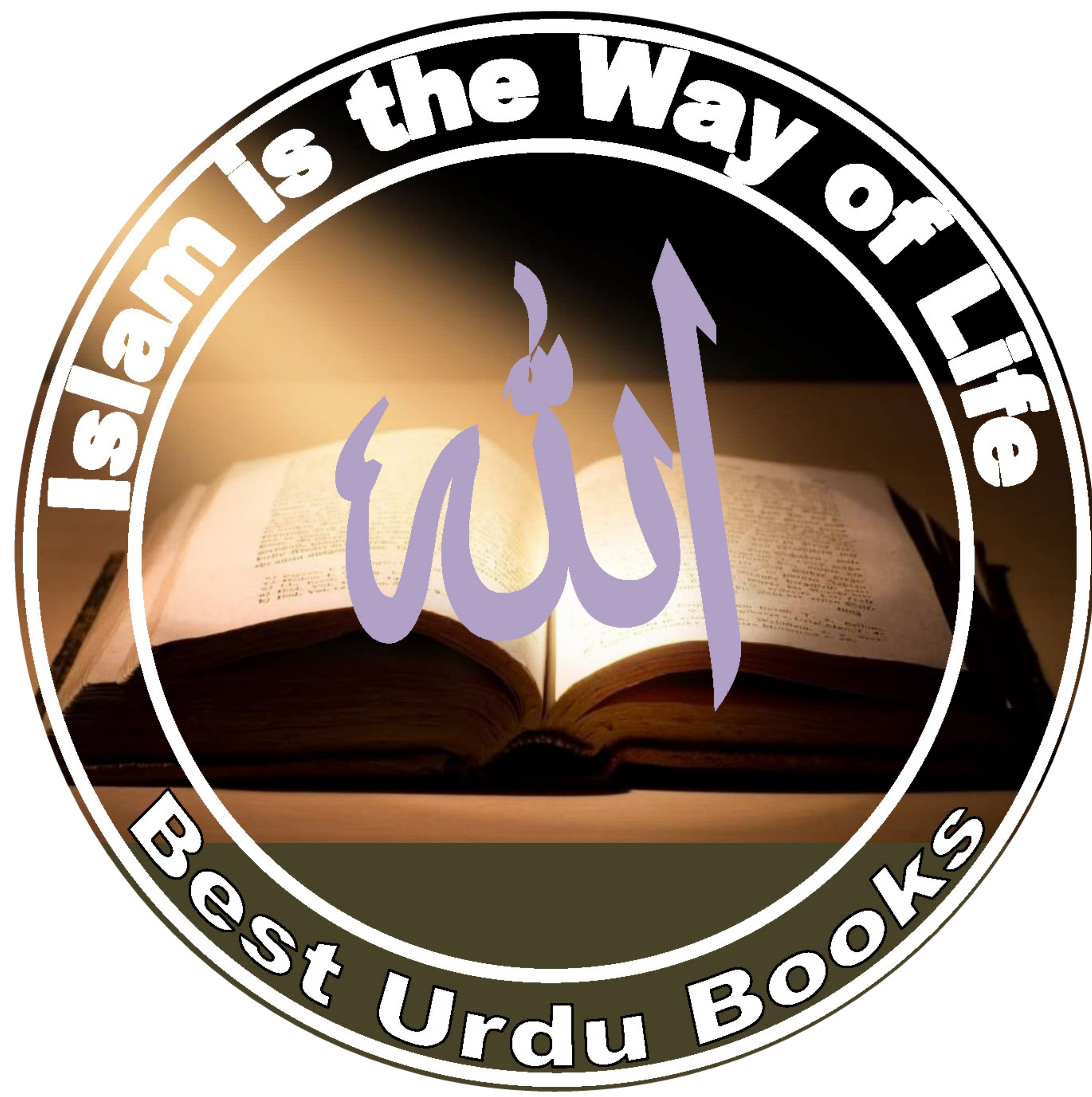
ضمیمہ نمبر 2

عہد نبوی کے تمام شہدا' مقتولین' مجروحین اور اسیروں کی فہرست

تفصیل / نام فریق	اسیر	زخمی	مقتول	جملہ
مسلمان	1	127	259	387
مخالف	6564[1]	0	759	7323
میزان	6565	127	1018	7710

(افادہ) ہمدم 17 اپریل 1919ء نے جنگ عظیم از 1914ء تا 1918ء کی تعداد مقتولین یہ طبع کی ہے۔ روس 17 لاکھ' جرمنی 16 لاکھ' فرانس 13 لاکھ 70 ہزار' اٹلی 4 لاکھ 60 ہزار' آسٹریا 8 لاکھ' برطانیہ 7 لاکھ 6 ہزار' ترکی 2 لاکھ 50 ہزار' بلجیم 1 لاکھ 2 ہزار' بلغاریہ' رومانیہ سرویا و مانٹی نیگرو ایک ایک لاکھ (4 لاکھ)' امریکہ 50 ہزار' میزان 73 لاکھ 38 ہزار' زخمی' قیدی' گم شدہ ان کے علاوہ ہیں۔ ہندوستان اور فرانس و برطانیہ کی نو آبادیات بھی خارج ہیں۔

[1] 6000 قیدی صرف غزوہ حنین کے ہیں۔ 6564 سے 6347 جن کو بلا شرط آزاد کر دیا گیا۔ صرف دو قیدی گزشتہ جرائم کی پاداش میں قتل کیے گئے۔


Islam is the Way of Life
Best Urdu Books